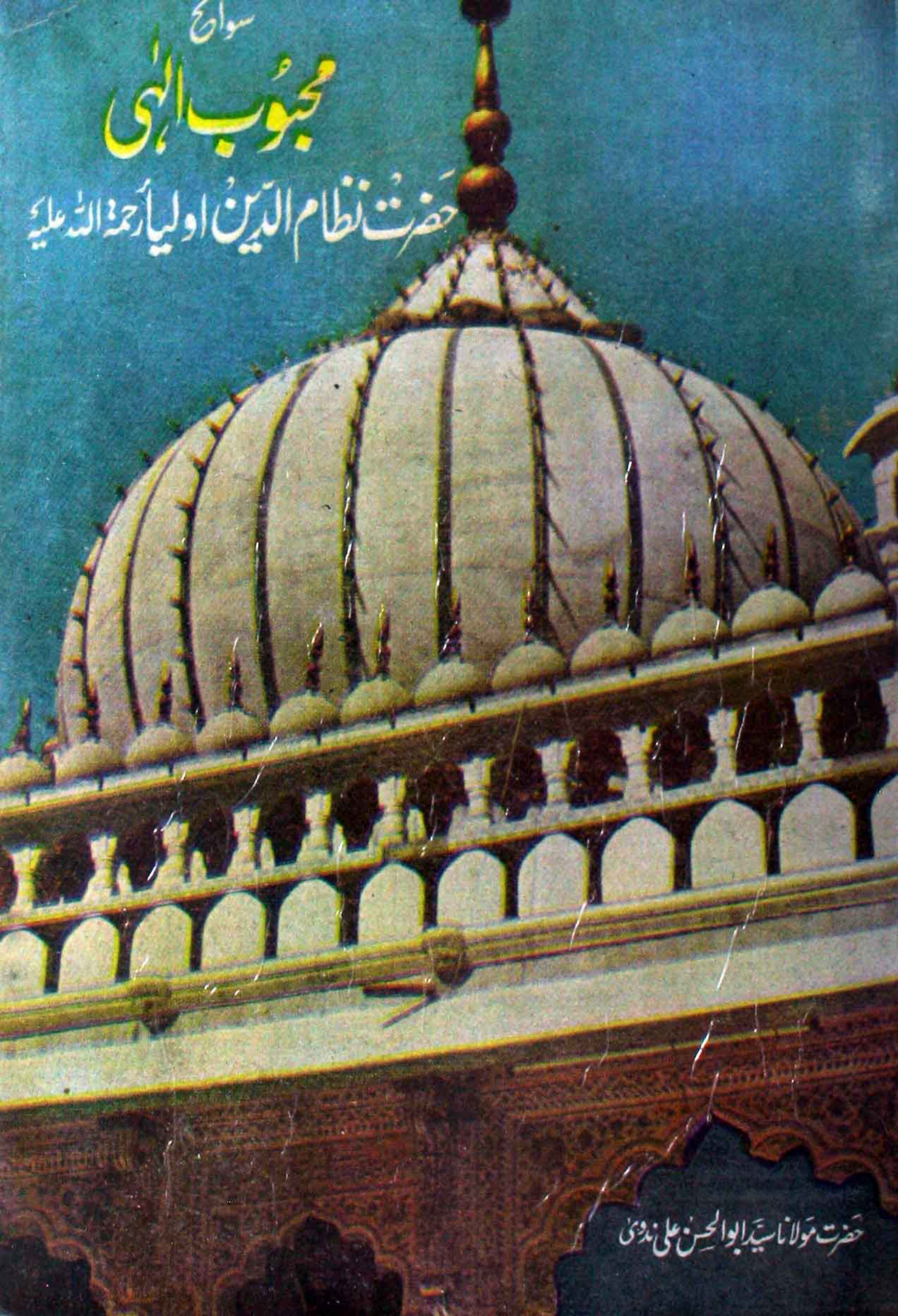


سوانح

محبوب الہی

حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ



حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

سوانح

محبوب الہی

حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ

سوانح حیات، صفات و کمالات، تجدیدی و اصلاحی
کارنامے، تلامذہ و مسترشدین کا تذکرہ و تعارف

از

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

ناشر

منشی انیس احمد غفرلہ

ادارہ اشاعت و بینات (رجسٹرڈ)

حضرت نظام الدین، نئی دہلی ۱۱۰۰۱۳ (انڈیا)

نام کتاب	_____	سوانح محبوب النبی حضرت نظام الدین اولیاءؒ
پہلا ایڈیشن	_____	۱۴۰۶ھ مطابق ۱۹۸۶ء
کاتب	_____	اختر زماں چمپارنی
طباعت	_____	گلوب آفیسٹ پریس دریا گنج دہلی
صفحات	_____	تقریباً ۲۰۰

اردو ایڈیشن
باہتمام محمد انس میمنجر ادارہ

بیمبئی میں ہماری برائچ جہاں سے یہ کتاب مل سکتی ہے۔

ادارہ اشاعت دینیات ۳۶ محمد علی روڈ، بمبئی ۴۰۰۰۰۳
(انڈیا)

دہلی ٹیلیفون: ۶۹۲۷۶۸ - ۶۱۷۱۴۲
بمبئی ٹیلیفون:

ISBN 81-7101-054-7

فہرستِ مضامین

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۰	حفظ مقامات اور اس کا کفارہ		باب اول
"	حدیث کی اجازت	۷	کچھ کتاب کے بارے میں
۲۱	قلب کی بے چینی اور انجذاب	۹	حرفِ آغاز
	الی اللہ	۱۳	حالات و کمالات
۲۲	والدہ صاحبہ کا انتقال	"	نام و نسب
۲۳	والدہ کی یاد	۱۴	ابتدائی تعلیم و تربیت
۲۳	والدہ کا یقین و توکل	۱۵	فقر و فاقہ اور والدہ کی
۲۴	ایک نمٹائے خام	"	تربیت
"	ادب و دھن کی پہلی حاضری	۱۶	شیخِ کبیر سے مناسبت
۲۵	طالب یا مطلوب؟	"	اور قلبی کشش
"	مرید کی خاطر	۱۷	دہلی کا سفر
۲۶	بیعت	"	دہلی میں طالبِ علمی
"	سلسلہ تعلیم کا اجراء	۱۸	استاد کے محبوب
"	یا انقطاع؟	۱۹	علمی امتیاز و تفوق

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۵۰	بیداری پر پہلا سوال	۲۸	شیخ بکیر سے درس
"	دنیا سے تنفر اور بذل و عطا	"	درس کی لذت
۵۱	زمین و جائداد سے پرہیز	"	خود شکنی کی تربیت
"	فقیر کا شاہی دسترخوان	۳۰	فیصلہ کن موقع
۵۲	شیخ کی غذا	۳۲	ایک رفیق کی ملامت
۵۵	ترتیب	۳۴	کتنے بار حاضری ہوتی ہے
"	سلاطین عہد سے بے تعلق	"	شیخ کی نوازشیں
۵۸	سلطان علاء الدین کا امتحان	۳۵	رخصت اور وصیت
	اور عقیدت	"	ایک دعا کی درخواست
۵۹	بادشاہ کے آنے سے	۳۶	اجودھن سے دہلی کو
	معدرت	۳۸	تصفیہ حقوق
"	گھر کے دو دروازے	۴۰	دہلی کی قیام گاہیں۔
۴۰	عجم اسلام	۴۲	فقر و فاقہ
۴۲	سلطان قطب الدین کی	۴۳	غیر کے واسطہ کے بغیر
	مخالفت اور اس کا قتل	۴۴	شیخ بکیر کی وفات
۴۴	غیبی لنگر	۴۵	غیاث پور کا قیام
۴۷	غیاث الدین تعلق کا عہد	۴۸	رجوع عام
	اور سرکاری مجلس مناظرہ	۴۹	فقیر منعم

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۸۸	دشمن نوازی	۷۱	مجلس مناظرہ کا حال حضرت
۹۲	پردہ پوشی و نکتہ نوازی		خواجہ کی زبان سے
"	شفقت و تعلق	۷۳	دہلی کی تباہی
۹۵	غنچواری عام	۷۴	نظام الاوقات
۹۷	چھوٹوں پر شفقت	"	امیر خسرو کی خصوصیت
۱۰۰	باب سوم	۷۶	شب کی تیاری
"	اذواق و کیفیات	"	سحری
"	محبت و ذوق	۷۷	صبح کے وقت
۱۰۲	سماع	"	دن میں
۱۰۸	مزا میر سے نفرت و ممانعت	۷۸	دلدار سی و تربیت
۱۰۹	سماع میں آپ کی کیفیت	"	قرب سفر
۱۱۲	ذوق قرآن	۷۹	خلفائے کبار کو اجازت نامے
۱۱۴	شیخ سے تعلق		اور ان کی محبت و مواخات
۱۱۵	جماعت کا اہتمام اور	۸۰	وفات کا حال
	بلند ہمتی	۸۲	باب دوم
۱۱۶	شریعت کی پابندی اور	"	اخلاق و صفات
	اتباع سنت کا اہتمام	"	جامع اوصاف
۱۱۸	باب چہارم	۸۵	اخلاص

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۳۶	عموم بیعت کی حکمت	۱۱۸	افادات و تحقیقات
۱۴۰	عمومی زندگی پر اثر	"	علمی پایہ
۱۴۹	عشق کا روز بازار	"	علمی و ادبی مناسبت
۱۵۰	خلفاء کی تربیت	۱۱۹	حدیث و فقہ پر نظر
۱۵۲	چشتی خالق ہیں۔	۱۲۲	اہمیت علم
۱۵۷	مریدین باختصاص	۱۲۳	بلند علوم مضامین
۱۶۰	باب ششم	۱۲۷	علوم صحیحہ شرعیہ
"	حضرت خواجہ کی تعلیم و تربیت	۱۲۵	حلال مانع راہِ خدا نہیں
"	کے اثرات	۱۲۶	قلب متوجہ الی اللہ کے
"	آپ کے خلفاء کی دینی و اصلاحی	"	بعد کوئی چیز مضر نہیں۔
"	خدمات	"	ترک دنیا کی حقیقت
۱۶۲	سلاطین وقت سے بے	۱۲۷	طاعت لازم و متعدی
"	رعبی اور حق گوئی کے	"	کشف و کرامات حجاب راہ
"	نمونے	۱۲۸	علوم انبیاء و اولیاء
۱۶۸	اسلامی سلطنت کی رہنمائی	۱۲۹	دنیا کی محبت و عداوت
"	و نگرانی	۱۳۰	مراتب تلاوت قرآن
۱۷۸	اشاعت اسلام	۱۳۱	باب پنجم
۱۸۵	خدمت و اشاعت علم	"	فیوض و برکات
۱۸۸	خاتمہ کلام	"	تجدید ایمان و توبہ عام
		۱۳۷	بیعت ایک عہد و معاہدہ

کچھ کتاب کے بارے میں

ہمارا کتب خانہ، ادارہ اشاعتِ دینیات، ایسی جگہ واقع ہوا ہے جس کے سامنے سے ہند اور بیرون ہند کے لوگ حضرت محبوب الہی نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک کی زیارت کیلتے سامنے سے گزرتے ہیں اور تحریک تبلیغ کے مرکز و سرچشمہ رفینض و ہدایت حاصل کرنے والے احباب تو بالکل سامنے ہی ٹھہرتے ہیں۔ اس لئے ہر آنے والے کو جستجو ہوتی ہے کہ اتنی بڑی شخصیت کے حالات اور کارنامے اور ان کی دعوت و تبلیغ کے بنیادی کام کا مطالعہ کریں جنہوں نے اسلام کی بنیادوں کو نہ صرف یہ کہ مضبوط و مستحکم کیا بلکہ ان کے خلفاء و مریدین اور معتقدین کے ذریعہ ہند و بیرون ہند میں اجباراً اسلام کے نقشے قائم کئے اور عشقِ الہی اور محبتِ نبوی کی آگ سے سینوں کو گرمایا۔

ہمارے آدمی روزانہ صبح سے شام تک ان کے اس سوال کا جواب نفی میں دیتے دیتے شرمندہ ہوتے تھے کہ ایسی کوئی مستند کتاب ہمارے اسٹاک کے لاکھوں کتابوں کے ذخیرہ میں نہیں ہے جس سے کسی کتابچہ کے ذریعہ کم پیسوں اور کم وقت میں اپنے دل کی پیاس بجھا سکیں۔

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی کو اللہ تعالیٰ
جزائے خیر عطا فرماتے اور ان سے دین کی خدمت کا بہت کام لے
کہ انھوں نے اپنی تصنیف تاریخ دعوت و عزیمت کی پانچ
جلدوں میں نجد دینِ عظام کے تجدیدی کارناموں کی مستند
تاریخ مرتب فرمائی جو ہند و بیرون ہند میں مقبول عام ہے۔
اور جس کا انگریزی ترجمہ بھی عالم اسلام میں شہرت و مقبولیت
حاصل کر چکا ہے۔

اس کتاب کی تیسری ضخیم جلد میں حضرت محبوب الہی کے
حالات، ممولات، سوانح حیات اور تجدیدی کارنامے بڑی تفصیل
سے جمع کئے ہیں۔ جو ان کے اس بحرِ ذخار میں ایک آبدار موتی
کی حیثیت رکھتے تھے۔ جس کو حاصل کر کے مطالعہ کرنا مشکل ترین
امر تھا خصوصاً ان لوگوں کے لئے جو کم وقت میں اور کم پیسوں
میں یہ علمی ذخیرہ حاصل کر سکیں۔

لہذا ان کے مضامین کا یہ مجموعہ ان کی اجازت و حکم سے
الگ کتابی شکل میں بہترین کتابت اور عمدہ طباعت کے ساتھ
شائع کرنے کی سعادت حاصل کی جا رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ
احقر ناکارہ کو اور ادارہ کے جملہ خدام و معاونین کو اخلاص
کامل اور نجات اخروی کا وسیلہ بنائے۔ امین

احقر انیس احمد غفرلہ، ادارہ اشاعت دینیات

حضرت نظام الدین نئی دہلی علی

(۱۷ جون ۱۹۸۶ء)

حرفِ آغاز

کتاب کے آغاز میں حضرت مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی فرماتے ہیں۔ کتاب کی ترتیب و تصنیف میں راہ کی کچھ دشواریاں تھیں۔ ہندوستان کے اولیائے کرام و داعیانِ اسلام اور مشائخِ عظام کے تذکرہ میں بے شمار کتابیں لکھی گئیں ان میں بڑی بڑی تصنیفات بھی ہیں لیکن جب اس عصر کا کوئی مصنف ان کے ایسے حالات جمع کرنے کیلئے بیٹھتا ہے جن سے ان کے اصل کمالات، ان کی دینی و تبلیغی مساعی ان کی تعلیم و تربیت کے نتائج ان کے مزاج و مذاق پر روشنی پڑے اور اس زمانہ کے لوگوں کے لئے سبق آموز شوق انگیز اور بہت آفریں ہوں اور یہ حیثیت ایک جلیل القدر اور کامل انسان کے ان کے حالات منظرِ عام پر آئیں اور ان کی سوانح کا صحیح ڈھانچہ سامنے آجائے تو اس کو سخت مایوسی اور پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے بعض اوقات صد ہا صفحات کی ایک کتاب سے بلکہ متعدد کتابوں کی

مدد سے بھی ایک صفحہ کے بقدر مواد حاصل نہیں ہوتا۔
 پوری پوری کتاب خوارق و کرامات مجیر العقول و افتات
 اور عجائبات سے بھری ہوتی ہے۔ اور ضروری معلومات کا
 افسوسناک فقدان نظر آتا ہے۔ ہندوستان کے ایک بڑے
 مورخ (مولانا کے والد محترم رحمۃ اللہ علیہ) کے الفاظ میں اس صورت
 حال کا شکوہ کیجئے۔

”ملک کی بدذوقی دیکھئے کہ ابتداء سے اب تک ہندوستان
 کی سیکڑوں تاریخیں لکھی گئیں اور مختلف عنوانوں
 سے لکھی گئیں۔ مگر ان میں سے کوئی کتاب تاریخ نویسی
 کے صحیح معیار پر نہیں اترتی جس کتاب کو اٹھا کر دیکھئے
 معلوم ہوتا ہے کہ رزم و بزم کا کوئی افسانہ ہے فرنا و
 کوس کے ذکر سے اگر کوئی صفحہ خالی مل گیا۔
 تو چنگ و رباب کے ذکر سے اس کو آپ خالی نہ پائیں
 گے۔ اگر مقفی عبارتوں اور مستح فقروں کے خارزار
 میں آپ کا دامن الجھ گیا تو یہ بھی ملنے کا نہیں۔ ایسی
 حالت میں کیا توقع ہو سکتی ہے کہ ہم اپنے اسلاف
 کی علمی زندگی کی صحیح تصویر ایسے ناممق مرقع میں پائیں
 گے۔ پھر ان بزرگوں کے حالات میں کتابیں ملتی ہیں
 جو کسی سلسلہ طریقت کے ساتھ مربوط تھے۔ مگر اس

بد مذاقی کا کچھ ٹھکانہ ہے کہ آپ ان کتابوں سے ان کے نام و نسب، نشوونما، تعلیم و تربیت، طریقہ ماند و بود اور علمی مشاغل کی نسبت تحقیق کرنا چاہیں تو ایک حرف نہ ملے گا۔ مصنف کا سارا زور ان کے کشف و کرامات کے بیان کرنے پر صرف ہوتا ہے اور ان کو اس حد تک پہنچانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ وہ بنی نوع انسان کے ماوراء کوئی اور مستی نظر آتے ہیں۔ وہ نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں نہ سوتے ہیں نہ اور خصائص انسانی سے کوئی سروکار ہے۔ نہ علمی مشاغل سے ان کو کوئی واسطہ ہے۔ ان کا صرف یہ کام ہے کہ وہ قانون قدرت کو ہمیشہ توڑتے رہیں اور مولید ثلاثہ اور عناصر اربعہ پر اپنی حکومت و خود مختاری کو کسی طرح قائم رکھیں۔

مولانا علی مہاں مدظلہ فرماتے ہیں کہ اس انتخاب (سوانح محبوب الہی کی اصل وجہ یہ ہے کہ وہ اسلام کی تاریخ دعوت و عزیمت میں ایک ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ اور ہندوستان میں (جو ساتویں صدی کے بعد سے عالم اسلام کا مرکز اعصاب اور اجار

۱۱ یا وایام (تاریخ گجرات) ۵۹۵ھ از حکیم مولانا عبدالحی رحمہ اللہ علیہ

و تجدید کی تحریکوں کا منبع رہا ہے، اپنے روحانی و اصلاحی تحریک کی قیادت کی اور اپنے زمانہ اور بعد کی نسلوں کو سب سے زیادہ متاثر کیا۔ سب کے نزدیک ایمان و یقین، عشق و محبت، درد و سوز، جذبہ اتباع سنت، عزیمت و علو ہمت، ذوق دعوت و تبلیغ، اصلاح اعمال و اخلاق، دینی حکم و معارف اور بزرگوں کا اصل جوہر اور ان کی سوانح حیات کا اصل پیام ہے۔ راقم سطور نے سیرت سید احمد شہید کے مقدمہ میں ایک شعر لکھا تھا جو صورت حال کی صحیح ترجمانی کرتا ہے۔ اسی کا اعادہ یہاں بھی کبھی مناسب معلوم ہوتا ہے۔

ہم نے اپنے اشیاء کے لئے
جو چھتے دل میں وہی تنکے لئے

ابوالحسن علی

مرکز دعوت اصلاح و تبلیغ

لکھنؤ

۱۸ تلخیص تاریخ دعوت و عزیمت جلد سوم ص ۱۸

محبوب الہی

سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ

باب اول

حالات و کمالات

نام و نسب محمد نام نظام الدین لقب و عرف عام، والد ماجد کا نام احمد بن علی، سادات حسینی میں سے تھے۔ نانہال بھی سادات میں تھا۔ دادا خواجہ علی اور نانا خواجہ عرب دونوں ہم جد تھے اور دونوں بخارا سے آکر کچھ مدت لاہور رہے۔ وہاں سے بدایوں آئے۔

۶۳۶ھ میں بدایوں میں آپ کی ولادت ہوئی۔ بدایوں (قدیم بدایوں) شرفار اور سادات کا قدیم مسکن تھا۔ بہت سے سادات کرام اور مشائخ عظام نے ایران و خراسان سے آکر یہاں سکونت

لے صاحب سیر الاولیاء نے آپ کی عمر شریف کا حساب لگا کر اس سن کا تعین کیا ہے۔ ۱۲

اختیار کر لی تھی۔

حضرت نظام الدین پانچ سال
کے تھے کہ باپ کا سایہ سر سے

ابتدائی تعلیم و تربیت

اٹھ گیا۔ والدہ ماجدہ نے جو اپنے وقت کی ایک بڑی صالحہ اور باخدا
خاتون تھیں اس دیریتیم کی پرورش اور دینی و اخلاقی تربیت کا روانہ
ہمت اور پدرانہ شفقت کے ساتھ اہتمام کیا۔ کتابیں بڑھنے کے قابل

سے بدلوں روہیل کھنڈ میں دریائے سوہے کے بائیں کنارے پر واقع ہے۔ اس
زمانہ میں بہت آباد اور پُر رونق مقام تھا۔ اور دہلی کیلئے سرحدی شہر کا کام دیتا
تھا۔ چنانچہ پرانی دہلی کے ایک دروازے کا نام دروازہ بدلوں تھا۔ (نثریتہ
المواطرن)

قلعہ بدلوں کے موجودہ کھنڈ اس کی عظمت اور استحکام کا پتہ دے
رہے ہیں۔ ۱۱۹۶ء میں سلطان محمد غوری کے جرنیل قطب الدین ایبک نے اسے
فتح کیا اور اپنے غلام ملک شمس الدین ایتمش کو امیر بدلوں مقرر کیا۔ ایتمش نے
یہاں ۱۲۲۳ء میں ایک خوبصورت اور وسیع مسجد تعمیر کرائی جو اب بھی موجود
ہے۔ اس مقام کی اہمیت کا مزید ثبوت درکار ہو تو وہ اس سے ملتا ہے کہ دہلی
کے دو بادشاہ ایتمش اور اس کا بیٹا کن الدین فیروز شاہ دونوں تخت نشینی سے
پہلے بدلوں کا گورنر رہ چکے تھے۔ (انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا بذیل بدلوں) منقول
از مقالات دینی و علمی، مولوی محمد شفیع صاحب ایم، اے۔ (جلد اول ص ۲۴) ۱۴

ہوئے تو مولانا علاء الدین اصولی کے سامنے زالوائے تلمذ تہہ کیا اور فقہ کی ابتدائی کتابوں تک ان سے تعلیم حاصل کی تو مولانا علاء الدین نے فرمایا کہ مولانا نظام الدین اب دستارِ فضیلت باندھو۔ والدہ صاحبہ سے آکر کہا کہ استاد نے دستار بندی کا حکم فرمایا ہے۔ میں دستار کہاں سے لاؤں؟ والدہ صاحبہ نے کہا۔ بابا خاطر جمع رکھو۔ میں اس کی تدبیر کروں گی۔ چنانچہ روٹی خرید کر اس کو کتوایا اور بہت جلد پگڑی تیار کر کے دی۔ والدہ صاحبہ نے اس تقریب میں علماء و صلحاء وقت کی دعوت کی۔ خواجہ علی مرید شیخ جلال الدین تبریزی نے ایک بیوی باندھا اور حاضرین مجلس نے علم نافع اور تکمیل کی دعا کی تھی۔

اس چھوٹے سے شریف گھرانے

فقروفاقہ اور والدہ کی تربیت

میں جو سایہ پداری سے محروم تھا فقر و فاقہ کوئی نئی بات نہ تھی حضرت خواجہ فرماتے ہیں کہ والدہ کا معمول تھا کہ جس روز ہمارے گھر کچھ

مولانا علاء الدین علی الاصولی شیخ جلال الدین تبریزی کے مریدین میں تھے اور اپنے شیخ کے نقش قدم پر اخفار حال کا بڑا اہتمام تھا۔ صبر و رضا کے ساتھ زندگی گزارتے تھے اور اوقات عزیز کو افادہ و عبادت میں مشغول و مہمور رکھتے تھے۔ (نزهت الخواطر بحوالہ فوائد الفوائد)

سراج المجالس ترجمہ خیر المجالس ص ۱۲۵ سے ایضاً (ص ۹۶)

پکانے کو نہ ہوتا تو فرماتیں کہ آج ہم خدا کے مہمان ہیں۔ مجھے یہ بات سن کر بڑا ذوق آتا۔ ایک دن کوئی خدا کا بندہ ایک تنگہ غلہ گھر میں دے گیا۔ چند دن متواتر اس سے روٹی ملتی رہی۔ میں تنگ آگیا اور اس آرزو میں رہا کہ والدہ صاحبہ کب یہ فرمائیں گی کہ آج ہم سب خدا کے مہمان ہیں۔ آخر وہ غلہ ختم ہوا اور والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ آج ہم خدا کے مہمان ہیں۔ یہ سن کر مجھے ایسا ذوق اور ایسا سرور حاصل ہوا کہ بیان میں نہیں آسکتا۔

حضرت خواجہ شیخ کبیر سے مناسبت اور قلب کشش فرماتے ہیں کہ

میں چھوٹا تھا۔ بارہ سال کا رہا ہوں گا یا کچھ کم زیادہ اس وقت میں لغت بڑھتا تھا۔ ایک شخص جو ابوبکر خراطہ کے نام سے مشہور تھا۔ ابوبکر قوال بھی کہتے تھے میرے استاد کے پاس آیا وہ ملتان ہو کر آ رہا تھا۔ اُس نے بیان کیا کہ میں حضرت شیخ بہار الدین زکریا ملتانی کے پاس سے آ رہا ہوں۔ اس نے ان کے فضائل و مناقب بیان کرنے شروع کئے کہ وہاں کے لوگ ایسے ڈاکر، شاغل ہیں اور اوراد و نوافل کا ایسا انہماک

۱۔ سیر الاولیاء (ص ۱۱۳)

۲۔ شیخ کبیر سے مراد اس کتاب میں ہر جگہ شیخ الاسلام حضرت خواجہ فرید الدین

گنج شکر کی ذات ہے۔ ۱۲

ہے اور ذکر کی ایسی فضا ہے کہ مامائیں اور لونڈیاں بھی چکی چلاتے وقت ذکر میں مشغول رہتی ہیں۔ اسی طرح کی اور بہت سی خصوصیتیں بیان کرتا رہا۔ مگر کوئی چیز میرے دل میں نہ جمی۔ اس کے بعد اس نے بیان کیا کہ میں وہاں سے اجودھن آیا۔ وہاں میں نے ایسا بادشاہ دین دیکھا اس نے شیخ الاسلام فرید الدینؒ کا تذکرہ کیا۔ یہ سنتے ہی میرے دل کو بے اختیار کشش ہوئی اور ان کی محبت و ارادت میرے دل میں ایسی بیٹھ گئی کہ مجھے ان کا نام لینے میں مزوآنے لگا۔ اور میں ہر نماز کے بعد مزے لے کر ان کے نام کی رٹ لگاتا۔

سولہ سال کی عمر میں حضرت خواجہ بدایوں سے دہلی آگئے۔

دہلی کا سفر

آپ نے دہلی آکر طالب علمی کا سلسلہ جاری رکھا۔ یہ مدت

دہلی میں طالب علمی

۱۲ سیر الاولیاء (ص ۱۲۹) فوائد الفواد (ص ۱۲) یہ سیر الاولیاء کا بیان ہے اور یہی صحیح معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ تین چار سال دہلی میں طالب علمی کرنے کے بعد خواجہ صاحب اجودھن گئے۔ اور حضرت خواجہ فرید الدینؒ سے بیعت کی۔ بیعت کے وقت آپ نے اپنی عمر بیس سال بیان کی ہے۔ (سیر الاولیاء ص ۱۲) اس لئے سیر العارفین کا یہ بیان صحیح نہیں ہے کہ آپ پچیس سال کی عمر میں بدایوں سے دہلی تشریف لے گئے۔ ۱۲

۱۲ - خوب

تین چار سال کی تھی۔ دہلی میں اس وقت بڑے نامور اساتذہ جمع تھے۔ یہ سلطان ناصر الدین محمود کا عہدِ حکومت اور غیاث الدین بلبن کا عہدِ وزارت تھا۔ اور مولانا شمس الدین خوارزمی جو کہ مستوفی الممالک ہو کر شمس الملک کے لقب سے مشہور روزگار ہوئے۔ استاد الاساتذہ کی حیثیت رکھتے تھے سلطنت کے ایک اہم ترین عہدے کی ذمہ داری و مشغولیت کے ساتھ اس زمانے کے علماء کی طرح درس و تدریس کا مشغلہ بھی جاری تھا۔ حضرت خواجہ ان کے حلقہٴ درس میں شامل ہوئے۔

مولانا شمس الدین کو حضرت سے تعلق خاص تھا۔ اور وہ ان کے محبوب ترین

اسناد کے محبوب

شاگرد تھے۔ آپ جس حجرہٴ خاص میں مطالعہ فرماتے تھے اس میں کسی شاگرد کو آنے کی اجازت نہیں تھی۔ مگر خواجہ اور ان کے دو رفیق مولانا قطب الدین ناقلہ اور مولانا برہان الدین باقی اس قانون سے مستثنیٰ تھے۔

۱۲ ملاحظہ ہو تاریخ فیروز شاہی از قاضی ضیاء الدین برنی (ص ۱۲)

۱۳ یہ صدر محاسب یا اکاؤنٹنٹ جنرل کا عہدہ تھا اور بہت بڑے علماء کو

دیا جاتا تھا۔ ۱۲

۱۴ سیر العارفین۔ ۱۲

خواجہ شمس الملک کی عادت تھی کہ اگر کوئی شاگرد ناغہ کر دیتا تھا یا دیر سے آتا تھا تو فرماتے تھے کہ آخر مجھ سے کیا قصور ہوا تھا کہ آپ نہیں آئے؟ حضرت خواجہ نے خود یہ قصہ بیان کرتے ہوئے تبسم فرمایا اور کہا کہ اگر کسی سے مزاج فرماتے تو کہتے کہ مجھ سے کیا قصور ہوا کہ آپ نہیں آئے تاکہ میں پھر وہی قصور کروں لیکن مجھ سے مانعہ ہو جاتا یا دیر میں جاتا تو میرے جی میں آتا کہ آج مجھ سے بھی یہی فرمائیں گے لیکن آپ مجھے دیکھ کر یہ شعر پڑھتے۔

آخر کہاں کہ گاہ گاہ ہے آئی و بمانی لگا ہے
اس کا تذکرہ کرتے ہوئے خواجہ صاحبؒ ابدیدہ ہو گئے اور سب
سننے والوں پر رقت طاری ہو گئی اور یہ بھی فرمایا کہ مجھے اپنے
حجرے میں اپنے ساتھ بٹھاتے ہیں ہزار معذرت کرتا مگر منظور نہ فرماتے
حضرت خواجہ نے اپنی ذہانت
مناسبتِ خداداد اور محنت سے

علمی امتیاز و تفوق

اپنے رفقاء کے درمیان علمی امتیاز اور تفوق پیدا کر لیا۔ علمی مباحثوں
اور سوال جواب میں (جو قدیم نظامِ تعلیم کا ایک اہم جز اور علمی استعداد
و ذکاوت کی علامت سمجھی جاتی تھی)، آپ کی طلاقتِ لسانی اور
قوتِ استدلال کا ایسا اظہار ہوا کہ آپ جس علمی مسئلہ پر بحث

کرتے طلبہ لاجواب ہو جاتے اور محفل پر آپ کے علم و ذہانت کا سکہ بیٹھ جاتا تھا۔ چنانچہ آپ کے ساتھی آپ کو مولانا نظام الدین بجاٹ اور مولانا نظام الدین محفل شکن کے لقب سے پکارنے لگے۔

اس زمانہ کے نصاب
حفظ مقامات اور اس کا کفارہ
 میں مقامات حریمی

داخل درس تھی۔ عام طور پر طلبہ اس کے سمجھ لینے اور اس کے مشکل الفاظ و مفردات کے یاد کر لینے پر اکتفا کرتے تھے لیکن حضرت خواجہ نے اپنے علمی ذوق اور بلند ہمتی سے اس کے چالیس مقامے حفظ کئے بعد میں اس کے کفارے میں حدیث کی مشہور کتاب "مشارق الانوار" حفظ کی ہے۔

آپ نے حدیث اپنے زمانہ کے
حدیث کی اجازت
 مشہور محدث شیخ محمد بن احمد الماریکی

مشہور کمال الدین زاہد (م ۶۸۴ھ) سے بڑھی جو مصنف
 مشارق الانوار علامہ حسن ابن محمد الصفانی کے براہ راست شاگرد
 تھے۔ فقہ میں ان کو بیک واسطہ صاحب ہدایہ علامہ برہان الدین
 المرغینانی سے تلمذ تھا۔ آپ نے ان سے "مشارق الانوار" کا درس

۱۰ سیر الاولیاء (ص ۱۰)

۱۰ سیر الاولیاء (ص ۱۰)



لیا اور حدیث کی اجازت حاصل کی۔

قلب کی بے چینی اور انجذاب الی اللہ

حضرت خواجہؒ اگرچہ پورے انہماک کے ساتھ طلب علم میں مشغول تھے اور ان کی بلند ہمتی اور عزیمت اس سلسلہ میں کسی کسمندی اور تباہی کی روادار نہ تھی لیکن دل کسی اور چیز کو ڈھونڈتا تھا۔ اس بحث و مباحثہ اور علوم ظاہری کی فضا میں ان کی طبیعت متوحش ہو جاتی تھی۔ ایک دن فرمایا کہ ایام جوانی میں کہ جب لوگوں کے ساتھ نشست و برخاست

۱۔ سیر الاولیاء (ص ۱۱) اجازت نامہ جو عربی میں ہے اور سیر الاولیاء میں بلفظ منقول ہے۔ ۲۲ ربیع الاول ۷۷۹ھ تاریخ درج ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اجازت نامہ آپ کو جب حاصل ہوا ہے اس وقت آپ کی عمر (سنہ ولادت ۷۳۶ھ کے حساب سے) ۴۲ تھی اور یہ واقعہ شیخ کبیر کی وفات (۷۴۴ھ) کے تیرہ سال کے بعد اور اس وقت کا ہے جب آپ مسند ارشاد و تربیت پر متمکن تھے اور آپ کی شہرت دور دور پہنچ چکی تھی۔ اجازت نامہ میں آپ کے لئے "السَّيِّخُ الْإِمَامُ الْعَالِمُ النَّاسِكُ" اور مَقْبُولُ الْمَشَائِخِ الْكِبَارِ مِنْظُورُ الْعُلَمَاءِ الْأَخْيَارِ الْأَبْرَارِ کے الفاظ ہیں۔ اس عمر و شہرت میں حدیث کی تکمیل اور حصول اجازت سے آپ کے علمی ذوق اور علوم ہمت کا اندازہ ہوتا ہے۔ ۱۳

رکھتا تھا ہمیشہ دل پر گرانی رہتی تھی اور دل ہی دل میں کہتا تھا کہ میں کب ان لوگوں کے بیچ میں سے چلا جاؤں گا۔ اگرچہ یہ سب بڑے بڑے بڑھانے والے لوگ تھے اور ہمیشہ علمی بحث و مباحثہ میں مشغول رہتے تھے لیکن اکثر میری طبیعت متوحش ہو جاتی اور میں دوستوں سے کہتا کہ میں ہمیشہ تمہارے درمیان نہیں رہوں گا۔ میں کچھ دن تمہارے یہاں مہمان ہوں۔ امیر حسن علاء بھنگی فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یہ حضرت شیخ الاسلام فرید الدینؒ کی خدمت میں حاضر ہونے سے پہلے کا قصہ ہے۔ فرمایا: "ہاں۔"

دہلی کے قیام میں حضرت
خواجہ کی والدہ ماجدہ نے انتقال

والدہ ماجدہ کا انتقال

فرمایا۔

ایک روز عرصہ کے بعد حضرت خواجہ نے
اپنی والدہ کے انتقال کا ذکر کیا۔ ذکر کرتے ہوئے

والدہ کی یاد

اتنا گریہ طاری ہوا کہ جو کچھ فرماتے تھے بلورے طور پر سننے میں نہیں
آتا تھا۔ اسی حالت میں یہ شعر پڑھا۔
افسوس و لم کہ پیچ تدبیر نکرد شہائے وصال را بہ زنجیر نکرد

۱۰۰۸ (ص ۱۰۰۸)

والدہ کا یقین و توکل

حضرت خواجہ فرماتے ہیں: ایک

دن نیا چاند دیکھ کر حاضر ہوا

اور قدم بوسی کی اور نئے چاند کی مبارکباد معمول کے مطابق پیش کی۔
 فرمایا کہ:۔ آئندہ مہینہ کے چاند کے موقع پر کس کی قدم بوسی کرو گے؟
 میں سمجھ گیا کہ انتقال کا وقت قریب ہے۔ میرا دل بھرا ہوا اور میں رونے
 لگا۔ میں نے کہا کہ:۔ خندومہ! مجھ غریب و بیچارہ کو آپ کس کے سپرد
 کرتی ہیں؟ فرمایا:۔ اس کا کل جواب دوں گی۔ میں نے اپنے دل میں کہا
 کہ اس وقت کیوں نہیں جواب دیتی۔ یہ بھی فرمایا کہ:۔ جاؤ آج رات شیخ
 نجیب الدین کے یہاں رہو۔ ان کے فرمانے کے مطابق میں وہاں گیا۔
 آخر شب میں صبح کے قریب خادمہ دوڑتی ہوئی آئی کہ بی بی تم کو بلا رہی
 رہی ہیں۔ میں ڈرا اور میں نے پوچھا خیریت ہے؟ کہا ہاں، جب
 میں حاضر خدمت ہوا تو فرمایا کہ:۔ کل تم نے مجھ سے ایک بات پوچھی تھی
 میں نے اس کا جواب دینے کا وعدہ کیا تھا۔ اب میں اس کا جواب
 دیتی ہوں غور سے سنو! فرمایا تمہارا دایاں ہاتھ کون سا ہے۔ میں نے
 ہاتھ سامنے کر دیا۔ میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور فرمایا:۔ خدا یا! اس
 کو تیرے سپرد کرتی ہوں۔ یہ کہا اور جان بحق تسلیم ہوئیں۔ میں نے
 اس پر خدا کا بہت شکر کیا اور اپنے دل میں کہا کہ اگر والدہ سونے اور
 موتیوں سے بھرا ہوا ایک گھر چھوڑ کر جائیں تو مجھے اتنی خوشی
 نہ ہوتی۔ سیر الاولیاء ص ۱۵۱

ایک نمنائے خام

اس وقت دارالحکومت دہلی کی پوری
فضا خاص طور پر طلبہ اور علماء کے

حلقے قضا و افتا کے تذکروں، ان منصبوں پر علماء کی تقرری اور قاضیوں
اور مفتیوں کے جاہ و جلال اور دولت و ثروت کے قصوں سے معمور
و گرم تھے۔ حضرت خواجہؒ اپنی فطری سعادت اور اعلیٰ روحانی استعداد
کے باوجود اس وقت کم سن اور نوجوان تھے۔ علمی امتیاز اور معاشی
تنگ حالی کے ساتھ اگر ان کے دل میں بھی کسی جاہ و منصب کا ولولہ
اور امنگ پیدا ہوتی تو فطرتِ انسانی کے کچھ خلاف نہیں۔ آپ نے
ایک دن شیخ نجیب الدین متوکلؒ سے عرض کیا کہ دعا کیجئے کہ میں قاضی
ہو جاؤں۔ شیخ نجیب الدینؒ خاموش رہے اور کچھ نہ فرمایا۔ حضرت
خواجہ سمجھے کہ انہوں نے سنا نہیں۔ دوبارہ ذرا بلند آواز سے فرمایا کہ
دعا کی درخواست کرتا ہوں کہ کہیں کا قاضی ہو جاؤں۔ شیخ نے فرمایا۔
قاضی مت ہو کچھ اور چیز ہو یہ

حضرت خواجہؒ اجودھن حاضر

اجودھن کی پہلی حاضری

ہونے سے پہلے دہلی میں شیخ

کبیر کے برادرِ حقیقی خواجہ نجیب الدین متوکلؒ سے متعارف ہو چکے تھے۔
اور کچھ عرصہ ان کے ساتھ رہنا بھی ہوا تھا۔ ان کی صحبت اور گفتگو نے

۱۰ فوائد الفواد (ص ۲۸)

شیخ کبیر کے ساتھ محبت کی اس چنگاری میں جو کمسنی اور بدایوں کے قیام ہی سے طبیعت میں ودیعت تھی۔ اشتعال و حرکت پیدا کر دی آپ نے شیخ کبیر کی خدمت میں حاضری کا عزم کر لیا اور بالآخر آپ ان کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

طالب یا مطلوب؟

اپنی اس ملاقات اور پہلی حاضری کا حال خود ہی بیان فرمایا، ارشاد

ہوا کہ میں جب شیخ کبیر کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مجھے دیکھتے ہی یہ شعر پڑھا۔

اے آتشِ فراقت دلہا کباب کردہ سیلابِ اشتیاق جانہا خراب کردہ
میں نے چاہا کہ پائے بوسی کے اشتیاق کو جو عرصہ دراز سے بے چین کتے ہوئے
تھا ذرا تفصیل سے بیان کروں لیکن شیخ کے رعب و جلال سے زبان اور
قوت گویائی نے ساتھ نہ دیا۔ اتنا ہی کہہ سکا کہ قدیم بوسی کا سخت اشتیاق
تھا۔ شیخ نے جب دیکھا کہ میں اتنا مرعوب ہوں تو فرمایا: "بِکَلِّ دَاخِلِ
دَهْشَةٍ" ہرنے آنے والے پر رعب ہوتا ہی ہے۔

شیخ کبیر نے حضرت خواجہ کی بڑی خاطر فرمائی۔
ارشاد ہوا کہ اس پر دلیلی طالبِ علم

مرید کی خاطر

کے لئے جماعت خانہ میں چارہ پائی بچھائی جائے۔ حضرت خواجہ فرماتے

۱۰ فوائد الفواد (ص ۳۱)

ہیں کہ جب چار پائی بچھ گئی تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ میں ہرگز اس چار پائی پر آرام نہ کروں گا۔ کتنے معزز مسافر کتنے حافظ کلام اللہ کتنے عاشقانِ خدا زمین پر سو رہے ہیں۔ میں چار پائی پر کیسے لیٹوں؟ یہ خبر منتظم خانقاہ مولانا بدرالدین اسحاق کو پہنچی انھوں نے فرمایا کہ ان سے کہہ دو کہ تمہیں اپنے دل کی کرنا ہے یا شیخ کے ارشاد کی تعمیل؟ میں نے عرض کیا کہ شیخ کے ارشاد کی تعمیل کروں گا۔ فرمایا کہ جاؤ چار پائی پر سو۔

اسی حاضری میں کسی وقت حضرت خواجہ جس ارادہ سے آئے تھے اس کی تکمیل کی اور شیخ کبیر سے بیعت ہو گئے۔ اس وقت آپ کی عمر بیس سال کی تھی یہ

بیعت

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ کی

سلسلہ تعلیم کا اجر اب القطار

کچھ کتابیں ابھی باقی تھیں، جذب و شوق کا تقاضا تھا کہ اب اس سلسلہ کو ختم کیا جائے اور علم تحقیقی اور معرفت حقیقی کی تحصیل میں صرف کیا جائے جو پیدائش کا اصل مقصد اور یہاں کی حاضری کی غرض و غایت ہے۔ گویا سعدی کا یہ شعر حسبِ حال تھا۔

لے سیر الاولیاء (ص ۱۰۷) لے ایضاً (ص ۱۰۸)



سعدی بشوے لوح دل از نقش غیر دوست
علمی کہ رہ بحق نہ نماید جہالت است

تعلیم و تعلم کا طویل سلسلہ پہلے بھی قلب حساس اور روح بیدار بہرہ
بارگھا لیکن اس کو ایک ضرورت سمجھ کر اور اس لئے بھی کہ کوئی دوسرا
راستہ سامنے نہ تھا اختیار کیا تھا۔ اب جبکہ یقین کا سریشٹہ اور علم حقیقی کا
سرچشمہ مل گیا اس سلسلہ دروازہ کا جاری رکھنا طبیعت پر سخت بارگھا اور
زبان حال کہہ رہی تھی۔

تیری نظر میں ہیں تمام میرے گذشتہ روز و شب
مجھ کو خبر نہ تھی کہ ہے علم نخیل بے رطب

لیکن جس شیخ کامل سے تعلق پیدا کر لیا تھا وہ جذب کامل کے ساتھ
خود بھی کامل العلم تھا۔ اور طریقت کے لئے بقدر ضرورت علم ظاہر کو
ضروری سمجھتا تھا۔ خود اس کے شیخ نے یہی ہدایت اس کو کی تھی۔ پھر
مولانا نظام الدین سے ارشاد و تربیت کا جو عالمگیر کام لینا تھا
اس کی نازک ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے لئے علم راسخ کی ضرورت
تھی۔ یوں بھی صاحب نظر شیوخ طالب کی مناسبت کو دیکھتے ہیں۔
حضرت خواجہ نے بیعت کے بعد فرمایا کہ میں تسلیم ختم کر دوں اور
اوراد و نوافل میں مشغول ہو جاؤں؛ شیخ کبیر نے فرمایا کہ میں کسی کو تعلیم
سے نہیں چھڑاتا۔ وہ بھی کرو، یہ بھی کرو، دیکھو کیا چیز غالب آتی ہے؟
یہ بھی فرمایا کہ بہ درویش کو تھوڑا علم بھی چاہیے۔ سیر الاولیاء ص ۱۱۱

شیخ کبیر سے درس

شیخ کبیر کی یہ خصوصی عنایت اور اختصا
تھا کہ آپ نے حضرت خواجہ کو بنفس نفیس

بعض چیزیں پڑھانا شروع کیں۔ فرمایا کہ:۔ نظام تم کو کچھ کتابیں مجھ
سے بھی پڑھنی ہوں گی۔ چنانچہ حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین
سہروردی کی تقوف کی مشہور کتاب عوارف المعارف کا درس
شروع کیا اور چھ باب اس کے پڑھائے۔ اس کے علاوہ تمہید
ابوشکور سالمی بھی اول سے آخر تک سبقاً سبقاً پڑھائی۔ مزید
برآں تجوید کی تعلیم بھی دی۔ اور چھ پارے کامل تجوید کے ساتھ پڑھائے۔

درس کی لذت

حضرت خواجہ زمانہ گزر جانے کے بعد بھی اس
درس کی لذت کو یاد فرماتے رہے۔ فرماتے تھے

کہ عوارف کے درس میں جو حقائق اور نکات حضرت کی زبان سے سننے
وہ پھر کبھی سننے میں نہ آئیں گے۔ بیان کی تاثیر کا یہ عالم تھا کہ جب
حضرت تقریر فرماتے تھے تو یہ آرزو ہوتی تھی کہ اگر اسی حالت میں
موت آجاتی تو بڑا اچھا ہوتا۔

خود شکنی کی تربیت

عوارف کا جو نسخہ درس کے
وقت شیخ کبیر کے ہاتھ میں ہونا

تھا وہ کچھ نفیم بھی تھا اور خط بھی باریک تھا۔ چند ہی اسباق کے

بعد ایک ایسا مقام آیا جہاں شیخ کو کچھ دیر تامل رہا۔ خواجہ نے (سادگی اور نو عمری میں) کہا کہ میں نے شیخ نجیب الدین منوکل کے پاس ایک اور نسخہ دیکھا تھا وہ نسخہ صحیح تھا۔ شیخ نے فرمایا: ”درویش راقوت یہ نسخہ سقیم نیست۔“ (فقیر کو سقیم نسخہ کی تصحیح کی طاقت نہیں) بار بار شیخ نے یہ فقرہ دہرایا۔ خواجہ فرماتے ہیں کہ شروع میں تو مجھے خیال نہ آیا لیکن بار بار یہ الفاظ شیخ کی زبان سے نکلے تو سبق کے دوسرے ساتھی مولانا بدر الدین اسحاق نے بتلایا کہ خطاب تمہاری طرف ہے۔ حضرت خواجہ کے ہوش اڑ گئے فرماتے ہیں کہ ”سربرہنہ کرم و درپائے شیخ افتادم“ کہتے جاتے تھے۔ نعوذ باللہ میرا اس سے حضرت پر تعزیریں کرنا ہرگز مقصود نہ تھا۔ خواجہ فرماتے ہیں میں نے ہر چند معذرت کی۔ لیکن حضرت کا ملال خاطر نہ گیا۔ فرماتے ہیں میں اٹھ گیا لیکن سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کروں۔ وہ دن جیسا مجھ پر گزرا اور جس حزن و غم کا بہاڑ مجھ پر ٹوٹا شاید کبھی کسی شخص کو ایسا کبھی پیش آیا ہو۔ سرا سیمہ پریشانی باہر آیا۔ ایک مرتبہ تو یہ جی چاہا کہ کنوئیں میں گر کر جان دیدوں لیکن کچھ سوچ کر باز رہا۔ اسی پریشانی اور سرا سیمگی کی حالت میں جنگل کو نکل گیا اور بہت روایا۔

شیخ کبیر کے ایک صاحبزادے شہاب الدین نامی سے خواجہ کا خاص میل ملاپ تھا۔ انھوں نے شیخ کبیر سے خواجہ کا یہ حال کہا جو مقصود تھا پورا ہو چکا تھا۔ حاضری کی اجازت حرمت ہوئی۔ ”بآمد سربرہ

قدم مبارک آوردم“ معافی ہوئی۔ دوسرے روز طلب فرمایا اور ارشاد ہوا:۔ یہ سب میں نے تمہاری تکمیل حال کے لئے کیا۔ پیر مشاطہ مرید ہوتا ہے۔ اس ارشاد کے بعد خلعت و کسوتِ خاص سے سرفراز فرمایا گیا۔

حضرت خواجہ نظام الدین کے لئے وہ وقت جب شیخ کبیر نے ان کے صرف اتنا کہہ دینے

فیصلہ کن موقع

پر کہ ”میں نے شیخ نجیب الدین کے پاس ایک بہتر نسخہ دیکھا ہے“ اپنی کبیدگی اور ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ ایک بڑا نازک وقت تھا۔ بظاہر اس معصوم جملہ اور اطلاع پر کہ ”میں نے آپ ہی کے بھائی کے پاس ایک بہتر نسخہ دیکھا ہے“ اتنی ناراضگی اور احتجاج کی ضرورت

۱۰ فوائد الفواد (ص ۲۷) یہاں پر کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ شیخ کامل نے تلمیذ رشید کی ایک معمولی سی اطلاع اور معرض پر اتنی بے افسردگی اور آزر دگی کا اظہار فرمایا۔ اس لئے کہ جیسا کہ خود شیخ کے جملہ سے معلوم ہوتا ہے یہ سب آزر دگی بہ تکلف اور طالب رشید کی ترقی باطن اور خود شکنی کے لئے ہے۔ شیخ مجتہد و مخلص اس کے لئے اپنے اجتہاد سے مختلف ذرائع اختیار کر سکتا ہے۔ اور اس کے لئے کسی تقریب و موقع کا بھی انتخاب کر سکتا ہے حضرت کعب بن مالک کے ابتلا کے واقعہ سے اور ان کو اس کو تاہی پر جو ان سے بلا ارادہ سرزد ہوتی تھی جو سرزنش کی گئی اور ان کے ساتھ جو رویہ اختیار کیا اور کرایا گیا اس سے بھی روشنی اور رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے۔“

نہ تھی، لیکن شیخ کمال کو ایک ایسے طالب علم سے جس کو اس کا جانشین بننا تھا اور لوگوں کی خود شکنی کی تربیت کرنی تھی، اتنی خود بینی بھی گوارا نہ تھی۔ پھر اس مستر شد کو کمال حال کے جس مقام تک پہنچانا تھا اس کے لئے اضطراب و اضطراب، شکستہ دلی و شکستگی کی خاص کیفیت پیدا کرنی مقصود تھی۔ لیکن ایک ذہین اور صاحب استعداد نوجوان کیلئے جو اپنی علمی تکمیل کر چکا تھا یہ وقت بڑا نازک اور فیصلہ کن تھا اور اسی پر اس کے مستقبل کا انحصار تھا۔ مولانا سید مناظر احسن گیلانی نے صحیح لکھا ہے:-

”صادق و کاذب طلب میں امتیاز کا وقت آگیا دنیا دیکھ رہی تھی اب مولانا نظام الدین کا فیصلہ کیا ہوتا ہے؟ کیا مولانا بحاث اور محفل شکن ہی کے لقب کو لے کر دنیا سے واپس چلے جائیں گے، جیسے لاکھوں ہی بحاث و محفل شکن آتے اور چلے گئے یا مشائخ کے سلطان کا جو تخت خالی ہے اس پر قدم رکھنے کی ہمت کرتے ہیں۔ اپنے اپنے حوصلہ کی بات ہوتی ہے ورنہ سچ یہی ہے۔“

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاج ننگی دامان بھی ہے
چند کلیاں جو اب تک ان کے ہاتھ میں تھیں وہ پھینک
دی گئیں اور اپنی تنگ دامانی کے علاج کے آخری فیصلہ

بروہ ڈٹ گئے۔ طرف کے چھوٹے ہوتے تو کہہ سکتے تھے کہ بھلا میرا کیا قصور میں نے غلطی ہی کیا کی ہے۔ ایک اچھے نسخہ کا علم تھا اس کا اظہار کیا گیا تھا پھر اس پر اتنی برہمی کے کیا معنی؟ یہی شوشہ اگر سامنے آجاتا وہی لمبی لکیر بن سکتا تھا۔ اتنی لمبی کہ شیطان کی آنت بھی اس سے چھوٹی ہو۔ بڑھاپے میں دماغی توازن صحیح نہیں رہا ہے۔ مزاج میں تندی اور غصہ سے آگے بڑھ کر اسی کو "نفسانیت" کا ثبوت بھی قرار دیا جاسکتا تھا بلکہ دین کی آرٹیکلر سلطان جی چاہتے تو "اسوہ حسنہ نبویہ" کے معیار پر شیخ کبیر کے اس طرز عمل کو کھوٹا بنا کر لوگوں کو دکھا سکتے تھے لیکن ظاہر ہے وہ اپنا علاج کرانے کے لئے آئے تھے۔ شیخ کبیر کی کمزوریوں کا علاج اجود دھن آنے سے مفصود نہ تھا۔ اس کو طے کر چکے تھے کہ یہ معالج طبیب ہے۔ اس کے بعد تنقید کا حق ان کے لئے باقی ہی کب رہا تھا؟

خواجہ فرماتے ہیں کہ میں شیخ کبیر کی خدمت میں اجود دھن حاضر تھا

ایک رفیق کی ملامت

ایک عالم بھی جو میرے دوست اور ہم درس تھے اور ہم دونوں ایک ساتھ مذاکرہ کرتے تھے اجود دھن آئے۔ انھوں نے جب مجھے پھٹے پرانے

۱۰ "ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت" ج ۲ ص ۹۷-۹۸

پیٹروں میں دیکھا تو بڑی حیرت و تاسف سے مجھ سے کہا: مولانا نظام الدین تم نے اپنا کیا حال بنا لیا ہے۔ اگر تم شہر میں درس و تدریس کی خدمت میں مشغول رہتے تو مجتہد زمانہ ہوتے اور بڑی شان و شوکت سے رہتے، میں نے اپنے دوست کی یہ بات سنی اور ان سے معذرت کر دی۔ اس کے بعد جب میں شیخ کبیر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو انھوں نے خود بخود فرمایا کہ نظام! اگر تمہارا کوئی دوست تمہیں ملے اور تم سے کہے کہ تم نے اپنا کیا حال بنا لیا ہے۔ اور تعلیم و تعلم کا وہ سلسلہ کیوں چھوڑ دیا۔ جو فارغ البالی اور خوشحالی کا ذریعہ بنتا اور یہاں اس حال میں کیوں ہو تو تم اس کا کیا جواب دو گے؟ میں نے عرض کیا کہ جو ارشاد عالی ہو وہی کہہ دوں گا۔ فرمایا اگر کبھی کوئی ایسا سوال کرے تو یہ شعر پڑھ دینا۔

نہ ہر ہی تو مرارہ خویش گیر برو: ترا سلامتی باد امرانگو نزاری
اس کے بعد حکم ہوا کہ خانقاہ کے مطبخ سے مختلف قسم کے کھانے ایک خوان میں اپنے سر پر رکھ کر اس رفیق کے پاس لے جاؤ۔ میں نے تعمیل ارشاد کی۔ میرے دوست نے جب یہ منظر دیکھا تو روتا ہوا دوڑا اور میرے سر سے خوان اتارا اور کہنے لگا کہ تم نے یہ کیا کیا؟ میں نے سارا قصہ سنایا اس نے یہ سن کر کہا کہ تمہارے شیخ ایسے ہیں کہ انھوں نے تم کو بے نفسی کے اس مقام پر پہنچا دیا ہے۔ مجھے بھی ان کی خدمت میں لے چلو جب وہ کھانے سے فارغ ہوئے تو اپنے ملازم سے کہا کہ یہ خوان

۲۔ محبوب الہی

اٹھاؤ اور ہمارے ساتھ چلو، میں نے کہا کہ نہیں جیسے میں یہ خوان اپنے سر پر رکھ کر لایا ہوں ویسے ہی سر پر رکھ کر لے جاؤں گا عرض ہم دونوں خدمت بابرکت میں پہنچے اور ہمارے دوست نے حضرت کے ہاتھ پر بیعت و توبہ کی اور آپ کے حلقہ بندام میں داخل ہوئے۔

حضرت خواجہ شیخ کبیرؒ
کی زندگی میں تین بار

کتنے بار حاضری ہوتی؟

ابو دھن حاضر ہوتے پہلی یا کسی اور حاضری میں خلافت سے مشرف ہوتے تذکروں میں اس کی صراحت نہیں ہے۔

ایک حاضری میں ایک دن ۲۵ جمادی
الاولیٰ کو نماز جمعہ کے بعد طلبی ہوئی۔

شیخ کی لوازشیں

شیخ کبیر نے اپنا لعاب دہن حضرت خواجہ کے دہن میں ڈالا قرآن مجید

مد سیر الاولیاء ۲۳۹ و ۲۴۰ ۳ فوائد الفواد (۲۲)

۳ یہاں سیر الاولیاء میں سِنَةٌ تِسْعَةٌ وَتِسْتِینَ وَتِسْتِیْنِ (۴۶۹ھ) یا تو غلط درج ہو گیا ہے اور تِسْعٌ وَخَمْسِیْنِ ۵۹ مراد ہے اس لئے کہ شیخ کبیر کی وفات کا سنہ سیر الاولیاء وغیرہ میں ۴۶۲ھ ہے۔ یا پھر تسلیم کیا جائے کہ آپ کا سنہ وفات ۴۷۰ھ ہے جیسا کہ خزینۃ الاصفیاء میں بحوالہ مخبر الواصلین و تذکرۃ العاشقین درج ہے۔ بہر حال سیر الاولیاء کے سنین میں تضاد ہے۔ ۱۲

کے حفظ کی وصیت فرمائی۔ فرمایا کہ خدا نے دین و دنیا تم کو دی۔ یہاں
سب کچھ یہی ہے۔ دہلی کی طرف روانہ کیا اور فرمایا: ”برو ملک ہند گھر“
نَظْرَةَ مِّنْكَ تَكْفِيْنِي

فرمایا کہ دہلی جانا تو مجاہدہ میں
مشغول رہنا، بیکار رہنا کچھ نہیں

رخصت اور وصیت

(نقلی) روزہ رکھنا نصف راہ ہے۔ دوسرے اعمال نماز و حج (نقلی)
نصف راہ۔

سیر الاولیاء میں ہے کہ خلافت نامہ لکھ کر دیا اور ہدایت کی کہ مولانا
جمال الدین کو ہانسی میں اور قاضی منتجب کو دہلی میں دکھا دینا۔ ارشاد ہوا
کہ تم ایک سایہ دار درخت ہو گے جس کے سایہ میں اللہ کی مخلوق آرام
پائے گی۔ استعداد کی ترقی کے لئے مجاہدہ کرتے رہنا۔

حضرت خواجہ فرماتے ہیں کہ واپسی میں میں نے ہانسی میں شیخ جمال الدین
کو خلافت نامہ دکھایا۔ بڑا اظہار مسرت کیا اور یہ شعر پڑھا۔
خداے جہاں را ہزاراں سپاس کہ گوہر سپردہ بگوہر شناس

اسی حاضری میں حکم شعبان
کو حضرت خواجہ کی طرف

ایک دعا کی درخواست

۱۰ سیر الاولیاء (مکمل) ۲۰ ایضاً ص ۱۱۶ و ص ۱۱۷ اس موقع پر سیر الاولیاء میں جو
۴۶۹ھ پھر دیا گیا ہے اس کے متعلق اوپر گفتگو ہو چکی ہے۔ ۱۲

سے شیخ کبیر کی خدمت میں اس دعا کی درخواست پیش کی گئی کہ خلق کے در بدر نہ پھرنایا بڑے۔ درخواست قبول ہوئی اور دعا فرمائی گئی۔ یہ ایک موقع پر فرمایا گیا کہ میں نے اللہ سے تمہارے لئے تھوڑی سی دنیا بھی مانگ لی ہے۔ خواجہ فرماتے ہیں کہ میں یہ سن کر متفکر ہوا کہ بڑے بڑے لوگ دنیا کے سبب سے فتنہ میں پڑ گئے۔ میرا کیا حال ہوگا۔ شیخ نے فوراً ہی فرمایا کہ تم فتنہ میں نہیں پڑو گے خاطر جمع رکھو۔ اب مجھے اطمینان ہوا۔

خواجہ نظام الدینؒ اب اپنے
مرشد و مربی سے رخصت ہو کر

اجودھن سے دہلی کو

ہندوستان کی تسخیر روحانی و خلق خدا کے ارشاد و تربیت اور تبلیغ و ہدایت کی عظیم و مقدس مہم پر روانہ ہوتے۔ یہ ایک فقیر بے نوا تھا جو ہندوستان بلکہ ساتویں صدی ہجری کے عالم اسلامی کی سب سے مستحکم اسلامی سلطنت کے دارالسلطنت کو جا رہا تھا۔ اس کے پاس اخلاص، اعتماد علی اللہ اور استغناء عن الملق کے سوا کوئی زادِ راہ اور کوئی ہتھیار و سلاح نہ تھا۔ مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے خوب لکھا ہے۔

ہندگیری کی مہم پر اجودھن سے ہند کے دارالسلطنت دہلی کی طرف روانہ ہوتے ہیں۔ جہاں نیچے سے اوپر تک بے شمار

۱۔ سیر الاولیاء - ص ۱۲۳، ۲۔ ایضاً ص ۱۳۲



جھوٹے الہ پر اجماعے بیٹھے ہیں۔ ان میں وہ بھی ہے جس کی زبان کی معمولی حرکت لوگوں کے تن سے سر جڈا کر دیتی ہے۔ وہ بھی ہیں جن کی نیاز مندی خاک سے اٹھا کر لوگوں کو آمار و دولت کے افلاک تک پہنچا رہی ہے۔ گلی گلی میں عزت تقسیم ہو رہی ہے۔ مناصب بٹ رہے ہیں۔ روپے لٹائے جا رہے ہیں۔ گودیں بھر رہی ہیں اور جن جن ذرائع سے یہ ساری چیزیں حاصل ہوتی ہیں سلطان المشائخ نسب سے لیس ہیں۔ آپ پڑھ چکے ہیں کہ اجودھن جانے سے پہلے دہلی کی علمی محفلوں کی محفل شکنی میں ان کی عام شہرت ہو چکی ہے۔ کچھ نہیں تو قضا کے عہدے سے لیکر شیخ الاسلامی و صدر جہان کی خدمات تک کی ساری راہیں اپنے سامنے کھلی پارہے ہیں۔ لیکن اب خالق کی صورت میں جو الہ ان کو مل چکا تھا بینہ اسی کے وزن سے آنا مسمور تھا کہ کسی مخلوق کی کوئی گنجائش ان کے قلب میں باقی نہ تھی۔ قلب کی اسی کیفیت کی تعبیر تھی جس کا اظہار وہی کبھی کبھی ان مشہور تیز الفاظ میں فرمایا کرتے تھے:-

ایمان کس تمام نہ شود تا ہمہ خلق
در نزدیکی او ہم چو شکر شتر نہ نماید

لہ سیر الاولیاء ص ۵۵

مجلس مبارک میں دمشق کے ایک شخص کا ذکر ہو رہا تھا جو شیخ
الاسلامی کی خدمت کے لئے ساری ساری رات نماز پڑھتا
تھا۔ اپنی انھیں نمازوں کو نگاہِ خلق میں حصولِ عزت کا ذریعہ
بنارہا تھا۔ جامع ملفوظاتِ راوی ہیں کہ

دریں میاں خواجہ ذکر اللہ بانیز یہ سن کر حضرت خواجہ کی آنکھوں
چشم پر آب کر دو برب مبارک میں آنسو آگئے اور فرمایا کہ پہلے
رانہ بسوز اول شیخ الاسلامی شیخ الاسلامی کو جلاؤ پھر آگ
راہیں خانقاہ را بعد ازاں لگاؤ خانقاہ کو پھر اپنی خودی
خود را۔ کو جلا کر خاک کر دو۔

الغرض اس شان کے ساتھ سب کچھ جلا کر بھسم کر کے وہ اجودین
سے روانہ ہوئے۔۔۔۔۔۔ اور جس علاقہ کی ولایت آپ
کے سپرد ہوئی تھی اسی کے پایہ تحت میں آپ پہنچ گئے۔

تصفیہ حقوق
شیخ کبیر نے ارادت و خلافت کے ساتھ کئی
بار یہ تاکید کی تھی کہ مخالفین کو خوش کرنے کی
پوری کوشش کرنا اور اہل حقوق کو راضی کرنے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت
نہ کرنا۔ خواجہ فرماتے ہیں کہ میں جب دہلی چلا تو مجھے یاد آیا مجھے

کے فوائد الفوائد (ص ۲۳)

۱۵ ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت (ص ۱۵) مولانا مظاہر احسن گیلانی

۲۰ جیل ایک شخص کے دینے ہیں۔ اور ایک کتاب میں نے کسی سے مستعار لی تھی وہ کھو گئی ہے۔ میں نے بدایوں کے قیام میں یہ عزم کر لیا تھا کہ میں جب دہلی پہنچوں گا تو ان اہل معاملہ کو راضی کرنے کی کوشش کروں گا۔ جب میں اجودھن سے دہلی واپس آیا تو جس شخص کے بیس جیل مجھے دینے تھے وہ بزاز تھا۔ میں نے اس سے کپڑا خرید لیا۔ کسی وقت میرے پاس بیس جیل جمع نہیں ہوتے کہ میں اس کو پہنچا دیتا۔ معاش کی بڑی تنگی تھی۔ کبھی پانچ جیل اٹھ آتے کبھی دس۔ ایک مرتبہ دس جیل ملے میں اس بزاز کے دروازہ پر پہنچا۔ اس کو آواز دی وہ باہر آیا تو میں نے اس سے کہا کہ تمہارے بیس جیل میرے ذمہ ہیں ایک مرتبہ تو مجھے دینے کی قدرت نہیں یہ دس جیل لایا ہوں اس کو لے لو، دس انشاء اللہ اس کے بعد پہنچا دوں گا۔ اس شخص نے یہ سن کر کہا کہ ہاں معلوم ہوتا ہے کہ تم مسلمانوں کے پاس سے آرہے ہو۔ اس نے وہ دس جیل تولے لیے اور کہا کہ میں نے دس جیل معاف کیے۔

اس کے بعد میں اس شخص کے پاس گیا جس کی کتاب میں نے لی تھی۔ اس نے مجھے پہچانا نہیں۔ میں نے کہا کہ صاحب میں نے آپ سے ایک کتاب مستعار لی تھی وہ کھو گئی۔ اب میں اس کی نقل تیار کر کے آپ کو دوں گا

۱ جیل یا جیل تانبہ کا ایک سکہ تھا۔ تنکے کے (روپیہ) چونسٹھ جیل اور ایک جیل کے چار فلوس یعنی دھیلے تھے۔ (تاریخ ہند)

میں بالکل اسی طرح لکھوا کر آپ کو پہونچا دوں گا۔ اس شخص نے کہا کہ
ہاں تم جہاں سے آرہے ہو وہاں کا یہی نتیجہ ہونا چاہیے۔ اس کے بعد اس
نے کہا کہ میں نے وہ کتاب تم کو بخش دی ہے۔

خواجہ صاحبؒ اہل دہلی بلکہ اہل ہند کی خدمت
دہلی کی قیام گاہیں

کے لئے جب دہلی پہونچے تو باوجود اس
کے کہ دہلی کا کوچہ کوچہ محلوں اور ایوانوں سے آباد تھا اور روزنی نئی
عمارتیں بن رہی تھیں۔ خواجہ صاحبؒ کے قیام کا کوئی ٹھکانا نہ تھا جب
ہم کہ عجیبات پور کا قیام اختیار نہیں فرمایا۔ آپ نے اتنی قیام گاہیں اختیار
کیں اور اتنے مقامات تبدیل کئے کہ معلوم ہوتا ہے کہ شہر میں اس فقیر کیلئے
اپنا درویشانہ سامان رکھنے اور اپنا پورا یا بچھانے کے لئے جگہ نہیں تھی۔
سیر الاولیاء کے مصنف میر خورداپنے والد سید مبارک محمد کرمانی کی زبانی
جو حضرت خواجہؒ کے دوست اور رفیق تھے۔ اس نقل مکانی کی تفصیل
بیان کرتے ہیں جو ناظرین کی عبرت کے لئے یہاں نقل کی جاتی ہے۔
سید مبارک محمد کرمانی فرماتے ہیں۔

جتنے سال سلطان المشائخ شہر دہلی میں رہے کوئی مکان آپ
کی ملکیت میں نہ تھا۔ اور ساری عمر آپ نے کوئی جگہ اپنے
اختیار سے انتخاب نہیں فرمائی۔ جب آپ بدایوں سے آئے تو

۱۰ فوائد الفواد (ص ۱۰)

سراتے میاں بازار میں جس کو نمک کی سراتے بھی کہتے ہیں اترے۔
والدہ اور ہمیشہ کو وہیں رکھا اور خود ایک قواس دکان گن
کی بارگاہ میں جو سراتے مذکور کے سامنے تھی مقیم ہوتے۔ امیر
خسرو کا بھی اسی محلہ میں مکان تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد رات
عرض کا مکان خالی ہوا۔ اس کے لڑکے علاقوں میں چلے گئے
امیر خسرو کی معرفت جو رات عرض کے نواسے تھے سلطان
المشاخ کو یہ مکان قیام کیلئے مل گیا۔ آپ دو سال اس مکان
میں رہے۔ یہ مکان شہر پناہ کے متصل مند دروازہ و مندھ
پل کے نزدیک تھا اس طرح سے کہ شہر پناہ کا برج اس
عمارت کے اندر آگیا تھا۔ مکان کے ایوان و رواق بڑے
بلند اور شاندار تھے۔ اس عرصہ میں رات عرض کے لڑکے
آگئے۔ سلطان المشاخ کو اس مکان سے منتقل ہو جانا پڑا۔
آپ کی کتابیں جن کے سوا اور کوئی سامان نہ تھا ہم سروں
پر رکھ کر چھپر والی مسجد میں جو سراج بقال کے سامنے تھی
لے آئے۔ دوسرے روز سعد کاغذی نے جو شیخ صدر الدین
کے مریدین میں تھے یہ قصہ سنا اور سلطان المشاخ کے پاس
آکر بڑی عزت و توقیر اور خوشامد سے اپنے مکان پر لے
گیا۔ بالاخانہ پر ایک بہت اچھی بارگاہ بنی ہوئی تھی۔ وہاں
آپ کو ٹھہرایا۔ سلطان المشاخ ایک مہینے وہاں ٹھہرے۔ اس

کے بعد وہاں سے بھی اٹھے۔ رکابدار کی سرانے میں جو قیصر پیل
 کے متصل تھی سرانے کے درمیان ایک مکان تھا وہاں مقیم ہونے
 ایک مدت کے بعد وہاں سے بھی منتقل ہو کر شادی کلابی کے
 مکان میں جو محمد میوہ فروش کی دوکانوں کے درمیان واقع تھا
 قیام اختیار کیا۔ اس درمیان میں شمس الدین شراب دار کے
 لڑکے اور اعزہ جو آپ کے معتقد تھے آپ کو بڑی عزت
 اور احترام کے ساتھ شمس الدین شراب دار کے مکان میں
 لے آئے۔ کئی سال سلطان المشائخ اس مکان میں رہے۔ اس مکان
 میں بڑی راحت اور سکون خاطر میسر آیا۔

فقروفاقہ خواجہ صاحب دہلی تشریف لائے تو ابتلا و تربیت کا
 وہ دور شروع ہوا جو اس راہ کے سالکوں کو جو آگے
 چل کر مرجع خلاق و سرچشمہ فیوض بنتے ہیں عادتاً پیش آیا کرتا ہے یہ
 وہ وقت تھا کہ سارے ہندوستان کی دولت اور زر و جواہر دہلی
 منڈ کر آ رہے تھے اور ارزانی کا یہ عالم تھا کہ ایک چٹیل میں دو سیر
 میدے کی چکی پکائی روٹیاں مل جاتی تھیں اور دو چٹیل میں ایک من
 خر۔ لوزہ آجاتا تھا۔ لیکن خواجہ صاحب کے فقر وفاقہ کا یہ حال تھا کہ فرماتے

لہ بادشاہ کو پانی پلانے کا عہدہ ۱۲۰۵

تہ سیر الاولیاء (دستا)



ہیں کہ میرے پاس ایک دانگ بھی نہ ہوتا کہ اس سے میں روٹیاں خرید کر خود کھاؤں اور والدہ و ہمشیرہ اور گھر کے ان لوگوں کو کھلاؤں جو میری کفالت میں تھے۔ خر بوزہ کی اس ارزانی و فراوانی کے باوجود پوری پوری فصل گزر جاتی اور خر بوزہ چکھنا نہ نصیب ہوتا لیکن اپنے اس حال میں خوش رہتا اور آرزو کرتا کہ جتنی فصل باقی ہے وہ بھی گزر جائے اور میں اسی حال میں رہوں۔

اسی زمانہ میں جب کہ آپ شہر پناہ کے اس برج میں مقیم تھے

غیر کے واسطہ کے بغیر

جو مندر دروازہ کے متصل ہے کئی روز گزر گئے اور کھانے کو کوئی چیز میسر نہیں آتی۔ ایک طالب علم کو اس کا علم تھا کہ کئی روز سے حضرت کو فاقہ ہے۔ اس طالب علم نے بعض ہمسایوں کو جو نو ربات تھے اس کی اطلاع کی۔ وہ کھانا تیار کر کے لاتے۔ کھانے کے لئے ہاتھ دھلانے وقت کھانا لانے والوں میں سے ایک بولا خدا طالب علم کا بھلا کرے کہ اس نے ہمیں خبر کر دی۔ خواجہ نے ہاتھ روک لئے اور فرمایا۔ کیا خبری؟ اس نے کہا کہ فلاں طالب علم نے ہمیں بتلایا کہ آپ کئی روز سے فاقہ سے ہیں۔ چنانچہ ہم یہ کھانا تیار کر کے لاتے۔ آپ نے فرمایا معاف رکھو۔ کتنے ہی ان لوگوں نے کوشش کی۔ آپ نے کھانا قبول نہیں کیا۔

سیر الاولیاء (ص ۱۳) جوامع الکلم (ملفوظات حضرت خواجہ بیگز گیسو دراز) ص ۲۹۹

شیخ کبیر کی وفات

آخری بار آپ شیخ کبیر کی خدمت میں
تین چار مہینے قبل گئے تھے۔ فرماتے ہیں

کہ ۵ محرم کو شیخ کبیر نے وفات پائی اور سوال کے مہینہ میں مجھے حضرت
نے دہلی بھیج دیا۔ بیماری کی ابتداء ہو چکی تھی۔ رمضان کا مہینہ تھا اور آپ
بیماری کی وجہ سے روزہ نہیں رکھ رہے تھے۔ ایک روز کہیں سے خر بوزہ
آیا تھا۔ خر بوزہ کاٹ کر میں نے شیخ کے سامنے رکھا۔ شیخ نے تناول فرمایا
اور ایک قاش مجھے عنایت فرمائی۔ میرے دل میں آیا کہ یہ دولت اب کب
ملے گی کہ اپنے دست مبارک سے مجھے عنایت فرما رہے ہیں۔ میں کھالوں
اور دو مہینے مسلسل روزے رکھ کر (فرض روزہ توڑ دینے) کا کفارہ ادا
کر دوں گا۔ فرمایا کہ نہیں نہیں میرے لئے تو شریعت کی اجازت ہے
تمہارے لئے جائز نہیں۔

فرمایا کہ انتقال کے وقت مجھے یاد فرمایا اور فرمایا کہ نظام الدین تو
دہلی میں ہیں۔ یہ بھی فرمایا کہ میں بھی اپنے شیخ قطب الدین بختیار کاکی کی رحلت
کے وقت حاضر نہ تھا۔ ہانسی میں تھا۔ فوائد الفواد میں ہے کہ یہ تذکرہ کرتے
وقت آپ پر ایسا گریہ طاری ہوا کہ تمام حاضرین کے دل متاثر ہوئے۔
وفات کے بعد آپ اجودھن حاضر ہوئے۔ مولانا بدر الدین اسحاق

۱۰ ۴۴۴ ۵ فوائد الفواد (ص ۵۳)

۱۱ فوائد الفواد (ص ۵۳)



نے شیخ کبیرؒ کی وصیت کے مطابق جامہ مصطلیٰ اور عصا سپرد کیا جو حضرت
خواجہ کو دینے کے لئے شیخ کبیرؒ نے مولانا کے حوالہ کیا تھا۔

فوائد الفواد میں ہے کہ ایک روز آپ
نے شہر کے شور و شرکا تذکرہ کرتے

غیبات پور کا قیام

ہوتے بیان کیا کہ ابتدائی زمانہ میں بھی میرا شہر میں دل نہیں لگتا تھا۔ ایک
روز قتلخ خاں کے حوض پر گیا تھا۔ ان دنوں میں قرآن مجید یاد کر رہا تھا وہاں
ایک درویش یاد خدا میں مشغول تھا۔ میں اس کے پاس گیا اور اس سے پوچھا
کہ آپ اسی شہر کے رہنے والے ہیں؟ انھوں نے کہا۔ ہاں! میں نے کہا
اپنی مرضی سے اس شہر میں رہتے ہیں؟ اس نے کہا۔ یہ بات تو نہیں ہے اس
کے بعد اس درویش نے واقعہ بیان کیا کہ ایک مرتبہ میں نے ایک اچھے
درویش کو دیکھا۔ بیرون کمال دروازہ، اس احاطہ میں جو لب خندق ہے
اس دروازہ کے قریب ایک بلند زمین ہے جس پر شہداء کی چار دیواری
بنی ہوئی ہے وہ درویش بیٹھا ہوا ہے۔ اس درویش نے مجھ سے کہا کہ
اگر ایسا کی خیر چاہتے ہو تو اس شہر سے چلے جاؤ۔ میں نے اسی وقت
سے اس شہر سے چلے جانے کا عزم ارادہ کر لیا لیکن موانع پیدا ہوتے رہے۔ آج پچیس
سال ہو گئے کہ میرا ارادہ باقی ہے۔ لیکن جانے کی نوبت نہیں آتی حضرت
خواجہ نے یہ حکایت بیان کر کے فرمایا کہ میں نے جب اس درویش کی یہ

بات سنی تو اپنے دل میں یہ طے کر لیا کہ میں اس شہر میں نہ رہوں گا۔ کتنی جگہ کا خیال آتا تھا کہ میں وہاں چلا جاؤں کبھی دل میں آتا تھا کہ قصبہ پٹیالی چلا جاؤں۔ وہاں ان دنوں ایک ترک تھا۔ کبھی دل کرتا تھا کہ بشنالہ چلا جاؤں وہ ایک پاک صاف جگہ ہے چنانچہ بشنالہ چلا گیا۔ تین روز وہاں رہا۔ کوئی مکان نہیں ملا۔ نہ کرایہ کا نہ بقیمت۔ ان تین دنوں روزانہ کسی ایک کا ہمان رہتا تھا۔ جب وہاں سے واپس آیا تو یہی خیال لگا رہا کہ ایک روز حوض رانی کی طرف گیا ہوا تھا۔ وہاں ایک باغ میں جس کو ”باغ حیرت“ کہتے ہیں۔ اللہ سے مناجات کی۔ طبیعت متوجہ تھی۔ میں نے عرض کیا کہ خداوند! میں اس شہر سے چلا جانا چاہتا ہوں۔ لیکن کوئی جگہ اپنی مرضی سے اختیار نہیں کروں گا۔ جہاں آپ کی مرضی ہو وہاں چلا جانا چاہتا ہوں۔ اس درمیان میں ایک غیبی آواز ”غیاث پور“ کے نام کی آئی۔ میں نے کبھی غیاث پور دیکھا نہیں تھا۔ اور یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ غیاث پور کہاں ہے۔ میں نے جب آواز سنی تو ایک دوست کے پاس گیا وہ دوست ایک نیشاپوری نقیب تھا۔ جب میں اس کے گھر گیا اور اس کو دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ وہ غیاث پور گیا ہوا ہے۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہی غیاث پور ہے الغرض غیاث پور آیا۔ اس وقت تک یہ مقام ایسا آباد نہیں تھا۔ ایک غیر معروف

اے ضلع انبالہ میں ایک قصبہ ہے امیر خسرو کا ناہنہاں یہیں تھا اور اسی

تقریب سے وہ وہاں رہتے تھے۔ ۱۲



جگہ تھی۔ آدمی بھی کم تھے۔ میں آیا اور میں نے وہاں سکونت اختیار کر لی۔
 جب کیتباد نے کیلوکھری کو اپنی فرد و گاہ بنایا تو وہاں ہجوم خلائق ہوا۔
 امراء اور اعیان سلطنت اور ان کے متعلقین کی آمد و رفت شروع ہو گئی۔
 جب میں نے یہ اثر و حام دیکھا تو اپنے دل میں کہا کہ اب یہاں سے بھی
 چلا جانا چاہیے۔ اسی خیال میں تھا کہ ایک بزرگ کا جو میرے استاد بھی تھے
 شہر میں انتقال ہوا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ کل جب میں ان کے فاتحہ
 میں جاؤں گا تو پھر کسی طرف کا قصد کروں گا۔ اپنے دل میں اس کو طے
 کر لیا اسی روز نماز عصر کے وقت ایک جوان آیا حسین لیکن نحیف، خدا
 جانے مردان غیب میں سے تھا یا کون تھا۔ اس نے آتے ہی مجھے خطاب
 کر کے یہ شعر پڑھا۔

اں روز کہ مد شدی نمی دانستی
 کہ انگشت نمائے جہاں خواہی شد

۱۔ سلطان معز الدین کیتباد (۹۸۶ھ - ۹۸۸ھ) بغراخان کالہ کا اور نغیث الدین
 بلبن کا پوتا تھا۔ ۳ سال حکومت کی۔ ۱۲
 ۲۔ سر سید احمد خاں آثار الصنادید میں لکھتے ہیں معز الدین کیتباد نے ۶۸۶ھ
 میں ایک قلعہ بنوایا اور کیلوکھری اس کا نام رکھا اگرچہ اس قلعہ کا اب نشان نہیں
 لیکن اسی جگہ ہمایوں کے مقبرے کے پاس موضع کیلوکھری موجود ہے اور دس
 پانچ جھونپڑے موجود ہیں۔ ۱۲ (آثار الصنادید: باب ۱۷)

(جس روز خدا نے تم کو چاند بنایا تھا۔ اسی روز سمجھنا چاہئے تھا کہ سارے دنیا کی انگلیاں تمہاری طرف اٹھیں گی،

حضرت خواجہ نے فرمایا کہ اس نے کچھ اور باتیں کہیں جس کو میں نے لکھ لیا ہے۔ اس کے بعد اس نے یہ کہا کہ پہلی مرتبہ آدمی کو مشہور نہیں ہونا چاہئے۔ اور جب کوئی شخص مشہور ہو جائے تو پھر ایسا بننا چاہئے کہ کل روز قیامت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شرمندہ نہ ہونا پڑے۔ اس کے بعد اس نے کہا کہ یہ کیا ہمت و حوصلہ ہے کہ خلق خدا سے بھاگ کر گوشہ گیری اختیار کی جائے۔ اور یاد خدا میں مشغول ہو جائے۔ اس کا مقصود یہ تھا کہ قوت و حوصلہ کی بات تو یہ ہے کہ مخلوق کے باوجود یاد خدا میں مشغول ہو۔ جب اس نے اپنی بات ختم کی تو میں نے کچھ کھانا لاکر اس کے سامنے رکھا۔ اس نے ہاتھ نہیں بڑھایا۔ اسی وقت میں نے اپنے دل میں نیت کی کہ میں یہیں رہوں گا۔ جب میں نے یہ نیت کر لی تو اس نے تھوڑا سا کھانا کھایا اور چلا گیا۔

عبیث پور کے دوران قیام میں خلق خدا اور طالبین کا رجوع شروع ہوا، اور فتوحات

رجوع عام

کا دروازہ کھل گیا۔

تذکروں سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ عبیث پور میں کتنی مدت گزرنے



کے بعد آپ کی ذات بابرکات کو مرجعیت اور غیاث پور کی خانقاہ کو شہرتِ عام حاصل ہوئی۔ اتنا پتہ چلتا ہے کہ غیاث پور کا قیام اختیار کرنے کے بعد بھی ایک عرصہ تک عسرت اور بے اسبابی کا دور گزر رہا تھا۔ یہاں تک کہ ایک عرصہ تک آپ سخت گرمیوں اور ٹوڈھوپ کے زمانہ میں جامع مسجد کو جو خاصہ فاصلہ پر تھی جمعہ کے دن پیادہ پاتشریف لیجاتے تھے یہاں تک کہ اس "عسر" کے بعد "یسر" کا دور آگیا۔ اور وہ رجوع عام شروع ہوا کہ اس کے سامنے سلاطینِ دہلی کے درباروں کی عظمت ماند پڑ گئی۔ امیر خسروؒ کے ان اشعار کی تصویر سامنے آگئی۔

درجسرة فقر بادشاہی در عالم دل جہاں پناہی
شاہنشہ بے سر و بے تاج شاہانش بہ خاک پائے محتاج
صاحب سیر الاولیاء لکھتے ہیں کہ وارد و صادر میں سے
پر دہیسی ہو یا شہری جو آنا اور سعادت قد مبوسی حاصل
کرتا کسی کو محروم نہ فرماتے، پوشاک، نقد، تحائف جو بھی خدا بھیجتا سب
ہی ان آنے جانے والوں پر مرف ہوتا۔ جو بھی آتا اور جس وقت بھی آتا
محروم نہ جاتا۔

لَا إِنْ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا. فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا بے شک دشواری کے ساتھ
آسانی ہے۔ بے شک دشواری کے ساتھ آسانی ہے۔ ۱۲
سیر الاولیاء

حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی نے فرمایا۔
فتوحات کا یہ حال تھا کہ دولت کا دریا آگے دروازے کے بہتا
تھا۔ کوئی دن فتوحات سے خالی نہ ہوتا۔ صبح سے شام تک لوگ
آتے بلکہ عشاء تک۔ مگر لینے والے لانے والوں سے زیادہ ہوا کرتے
اور جو کچھ کوئی لانا اس سے زیادہ حضرت کی عنایت سے
پاتا۔

بیداری بیک پہلا سوال

عادت مبارک تھی کہ جب قیلول
سے اٹھتے تو دو باتیں سب سے

پہلے پوچھتے۔ ایک یہ کہ زوال ہو گیا۔ دوسرے یہ کہ کوئی آیا تو نہیں، تاکہ
اس کو انتظار نہ کرنا پڑے۔

دنیا سے تنفر اور بدل و عطا

دنیا کا جس قدر جوع بڑھتا
گیا اتنی طبیعت اس سے متنفر

ہوتی گئی۔ اکثر گریہ فرماتے۔ جتنی بڑی فتوحات ہوتیں اتنا ہی زیادہ
گریہ کرتے اور اتنی ہی زیادہ کوشش فرماتے کہ جو کچھ آیا ہے جلد تقسیم
ہو جائے۔ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد آدمی کو بھیج کر ہدایت فرماتے کہ

۱۔ سراج المجالس (ترجمہ خیر المجالس) ملفوظات حضرت خواجہ نصیر الدین
چراغ دہلوی (ص ۲۰۲)
۲۔ سیر الاولیاء (ص ۱۲۶)۔

جو کچھ ہو تقسیم کر دیا جاتے۔ جب سب تقسیم ہو جاتا اور ضرورت مندوں کو پہنچ جاتا تو سکون خاطر ہوتا۔ ہر جمعہ کو حجروں اور انبار خالوں کو اس طرح خالی کر دیتے جیسے جھاڑو دیدی گئی ہو۔ اس کے بعد مسجد جاتے۔ اگر بادشاہوں یا شہزادوں میں سے کوئی آستانہ پر حاضر ہوتا اور ان کی نذر اور آمد کی خبر پہنچتی تو ٹھنڈی سانس بھر کر فرماتے کہ کہاں آئے ہیں فقیر کا وقت غارت کرتے ہیں۔

امیر حسن علاء سنہری فرماتے ہیں **زمین و جانداد سے بد تمیز**

کہ میں ایک مرتبہ حاضر تھا۔ ان دنوں میں ایک امیر نے باغ اور بہت سی زمین اور اس کے ساز و سامان کی دستاویز حضرتؐ کی خدمت میں بھیجی تھی اور اپنی عقیدت و اخلاص کا اظہار کیا تھا۔ حضرتؐ نے قبول نہ فرمایا۔ متبسم ہو کر فرمایا کہ اگر میں اس کو قبول کر لوں تو پھر لوگ کہا کریں گے کہ شیخ باغ کی سیر کو گتے ہیں۔ اور اپنی کھیتی اور زمین دیکھنے تشریف لے گئے ہیں۔ میرے کام سے اس کو کیا مناسبت؟ ہمارے بزرگوں اور مشائخ میں سے کسی نے زمین و جانداد قبول نہیں کی۔

نور دائم الصوم تھے لیکن دونوں **فقیر کا شاہی دسترخوان** وقت شاہی دسترخوان لگتا اور

انواع واقسام کے وافر مقدار میں چُٹنے جاتے۔ امیر و غریب، شاہ و گدا، شہری و پیر، دیسی، صالح و گناہگار کسی کی تفریق نہ تھی۔ سب ایک جگہ بیٹھ کر کھانا کھاتے۔ لے جانے کی بھی اجازت تھی۔ بعض لوگ کھاتے اور بازو کر بھی لے جاتے۔ یہ شاہی دسترخوان اپنی نوعیت میں یکتا تھا۔ اسی دسترخوان پر بیٹھ کر سیکڑوں ہزاروں غریبوں کو وہ کھانے نصیب ہوتے جن کے انھوں نے نام ہی نام سنے تھے۔ بڑے بڑے امراء دربار اور اعیان سلطنت کو بھی اس دسترخوان پر حاضری کی آرزو ہوتی تھی اور اس کھانے کی لذت کو وہ یاد کرتے تھے۔ ہدایت و ارشاد اور سلوک و تربیت کے فیض عام کے علاوہ جس کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا تھا، حضرت خواجہ کا یہ بھی فیض تھا جو دلی میں اپنی بلوری روانی کے ساتھ جاری تھا۔ اور جو ہزاروں بندگانِ خدا کی پرورش کا ذریعہ تھا۔ مولانا مناظر احسن گیلانی نے درویش کے اس خوانِ سلطانی کا ذکر کرتے ہوئے خوب لکھا ہے۔

آج جن چیزوں پر الوان نعمت کے قصوں کے ساتھ غریبوں کا دکھڑا رویا جاتا ہے۔ گویا یہ بھی ایک قسم کی حدیث المائدہ (ڈیبل ٹاک)، اور مضمم کرنے کا چورن ہے۔ ان کو کیا معلوم کہ اسلامی تاریخ میں غریبوں اور امیروں کے درمیان صوفیہ اسلام کی یہی خالقہا ہیں درمیانی کڑی کا کام دیتی تھیں ان بزرگوں کا دربار وہ دریا تھا جہاں سلاطین بھی خراج



کے نبوی فرمان کی تعمیل میں ارباب صدق و صفا کا یہ طبقہ مشغول نہ تھا۔ خصوصاً جن بزرگوں کا کسی خاص وجہ سے امر اور ربا ثروت پر اثر قائم ہو جاتا تھا۔ یوں سمجھیے کہ غزبا کی قسمت جاگ اٹھتی تھی۔ ————— اسلام کے ان اکابر کا حال بڑھینے اور اس پر غور کیجیے۔ آپ کو نظر آئے گا کہ امر اور غزبا کے درمیان ان بزرگوں کا وجود با جو حلقہ اتصال بنا ہوا تھا ————— اور میرا خیال ہے کہ ان کی خالقا ہوں کے لنگر خانے جہاں اپنے اندر دوسرے اعراض رکھتے تھے ایک بڑا کام ان سے یہ بھی نکلتا تھا کہ ملک کے غزیوں مسلمانوں، بے وسیلوں کی پناہ گاہ یہ خالقا میں بنی ہوتی تھیں۔ بلکہ ان ہی کے ذریعہ سے غزیوں تک بھی وہ نعمتیں پہنچ جاتی تھیں جن کا نام بھی اس زمانہ کے غزیوں نے شاید نہ سنا ہو۔

شیخ کی غذا شیخ خود کھانے میں شریک ہوتے لیکن اس شاہی دسترخوان پر جس پر انواع و اقسام کے کھانے اور الوان نعمت ہوتے۔ ان کی غذا عام طور پر ایک یا ادھی روٹی اور کچھ کریمہ وغیرہ کی بنی یا تھوڑے سے چاول ہوتے۔

۱۲۵۰ء نظام تعلیم (ص ۲۲)، ۱۲۵۱ء ایضاً (ص ۲۲)، ۱۲۵۰ء سیر الاولیاء۔ ۱۲۵۰

آپ کے ایک مرید باختصاص مولانا شمس الدین یحییٰ اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہیں۔

میں ایک مرتبہ دسترخوان پر موجود تھا افطار کے وقت میری نظر سلطان المشائخ پر تھی۔ میں نے دیکھا کہ کھانا شروع ہونے کے وقت آپ نے لقمہ لینے کیلئے جو ہاتھ پیالہ کی طرف بڑھایا تھا وہ آخر تک وہیں رہا۔ منہ تک آنے کی نوبت نہ آئی کہ دسترخوان بڑھا دیا گیا۔

ترتیب دسترخوان پر بیٹھنے کا قاعدہ اور ترتیب یہ تھی کہ سب سے آگے مخدوم زادگان و مرشد سے نسبت قرابت رکھنے والے ہوتے پھر علماء، پھر روسا و اشراف۔

سلاطین عہد سے بے تعلقی سلسلہ چشتیہ کی بنیاد سلطنت ہندوستان کی دینی رہنمائی بلکہ سلطنت اسلامی کی تاسیس، اسلامی معاشرہ کی اصلاح اور اس میں روحانیت و انابت کی روح پھونکنے کے ساتھ ساتھ ابتدا ہی سے سلاطین وقت سے بے تعلقی کے اصول پر پڑی تھی اور یہ اس سلسلہ کا ایک شعار اور مشائخ چشتیہ کا مقدس ترکہ اور امانت بن گئی تھی۔ مشائخ چشت نے اس "شیشہ و آہن" کو جمع کرنے میں اپنا پورا کمال دکھایا

۱۲۵ سیر الاولیاء ۲۴۵ ۲۴۵ ایضاً ص ۲۴۵

تھا۔ ایک طرف وہ دربار کے غلط رجحانات کی اصلاح اور وقت کے فتنوں کے استیصال سے غافل اور غمِ اسلام سے خالی اور اس ملک میں مسلمانوں کے مستقبل سے بے فکر نہ تھے۔ دوسری طرف وہ ایک اصول اور عقیدے کے طور پر یہ طے کر چکے تھے کہ ان کو دربار سے براہ راست کوئی تعلق رکھنا نہیں ہے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ سے لیکر خواجہ نظام الدین تک یہ گویا ایک طے شدہ حقیقت تھی کہ ان کو نہ دربار میں جانا ہے اور نہ سلاطین وقت سے ملاقات کرنی ہے۔ اس اصول پر یہ سب حضرات سختی سے کاربند رہے۔ اس کا نتیجہ تھا کہ سیاست کے خارزار میں ان کا دامن کبھی نہیں الجھا۔ اور انقلابات سلطنت کا ان کے مرکوزوں اور ان کی سرگرمیوں پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ ان کا اخلاص، ان کی بے لوثی اور بے غرضی تمام سیاسی اختلافات کے باوجود مسلم رہی۔ اور اسی کا نتیجہ تھا کہ ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں سب سے طویل عرصہ تک اس سلسلہ کو اپنا کام جاری رکھنے اور ہندوستان پر اثر انداز ہونے کا موقع ملا۔ اور شاید اسی کا نتیجہ تھا کہ اس سلسلہ کو قبول عام اور بقائے دوام حاصل ہوا۔

حضرت شیخ نظام الدینؒ جب سے شیخ کبیرؒ کے پاس سے ہندوستان کی تسخیر روحانی اور تبلیغ و ارشاد پر امور ہو کر آتے تھے وہی کے تحت پورے بعد دیگرے پانچ بادشاہ بیٹھے اور انہوں نے بڑے جہاد و جلال کے ساتھ سلطنت کی لیکن سوائے ایک ایسے موقع کے جبکہ دینی ضرورت

درپیش تھی۔ دسماع کی حلت و حرمت کی مجلس مناظرہ، وہ کبھی نہ دربار میں گئے اور نہ کبھی بادشاہ وقت کو اپنے یہاں آنے کی اجازت دی غیاث الدین بلبن کے عہد سلطنت میں ان کا آفتابِ شہرت و قبولیت نصف النہار پر نہیں پہنچا تھا اس لئے غیاث الدین کو ان کی طرف توجہ نہیں ہوتی مولدین کی قباد ہو و لعب اور سیر و شکار میں مشغول رہا۔

جلال الدین خلجی پہلا بادشاہ تھا جو صاحب علم و حلم، جوہر شناس اور ارباب کمال کا قدران تھا۔ اور حضرت خواجہ کی شہرت بھی اپنے عروج پر پہنچ چکی تھی۔ جلال الدین نے کئی بار حاضری کی اجازت چاہی لیکن کبھی منظور نہیں ہوئی۔ آخر سلطان نے امیر خسرو کے ساتھ جو سلطان کے معصف بردار تھے، یہ منصوبہ بنایا کہ ایک مرتبہ بلا اطلاع حضرت کی خدمت میں حاضر ہو جانا ہے۔ امیر خسرو نے مناسب جانا کہ اپنے مرشد کو اس کی اطلاع دیدی جاتے۔ اس لئے کہ اگر میں نے اس کی اطلاع نہ دی تو شاید میرے حق میں یہ اچھا نہ ہو۔ اگرچہ بادشاہ نے اس بارے میں امیر خسرو کو اپنا رازدار بنایا تھا لیکن اپنے مرشد سے رازداری امیر خسرو کو مناسب نہ معلوم ہوئی۔ امیر نے حضرت خواجہ سے جا کر عرض کیا کہ کل بادشاہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوگا۔ حضرت خواجہ نے یہ سنتے ہی اپنے مرشد کی قبر کی زیارت کی نیت سے اجودھن کا رخ فرمایا اور روانہ ہو گئے۔ بادشاہ کو جب اس کی اطلاع ملی تو امیر خسرو پر ناراض ہوا کہ تم نے میرا راز فاش کر دیا۔ اور حضرت خواجہ کی قدبوسی کی سعادت

سے محروم کر دیا۔ امیر خسرو نے کہا کہ بادشاہ کی رنجش سے جان جانے کا خوف تھا۔ لیکن مرشد کی رنجش سے سلب ایمان کا خوف تھا۔ بادشاہ حلیم و فرزانہ تھا اس نے اس جواب کو پسند کیا اور خاموش ہو گیا۔

سلطان علاء الدین کا امتحان اور عقیدت

سلطان علاء الدین خلجی جو ہندوستان قدیم کا سب سے باجبروت اور اقبال مند بادشاہ اور سکندر ثانی ہے۔ اپنے چچا جلال الدین کے بعد تخت سلطنت پر بیٹھا۔ ابتدا میں اس کو حضرت خواجہ سے نہ کوئی خاص عقیدت تھی نہ تنفر تھا بعض لوگوں نے سلطان کو حضرت خواجہ کی طرف سے بدگمان کرنے کی کوشش کی اور ان کی مقبولیت اور رجوع عام سے سلطنت کے لئے خطرات ثابت کئے۔ سلطان علاء الدین نے امتحاناً ایک عریفہ آپ کی خدمت میں اپنے بیٹے اور ولی عہد خضر خاں کے ہاتھ بھیجا۔ جس میں آپ سے انتظام سلطنت کے بارے میں مشورے اور نصائح کی درخواست کی گئی تھی۔ جب خضر خاں یہ خط لیکر خواجہ کی خدمت میں آیا۔ آپ نے وہ کاغذ ہاتھ میں لے لیا اور اس کا مضمون بھی نہیں پڑھا۔ حاضرین مجلس سے فرمایا کہ ہم دعا کرتے ہیں۔ اس کے بعد ارشاد ہوا کہ درویشوں کا بادشاہوں سے کیا کام ہے میں ایک فقیر آدمی ہوں۔ شہر کا ایک گوشہ اختیار کر رکھا ہے۔ بادشاہ اور مسلمانوں کے لئے دعا گوئی میں مشغول ہوں۔ اگر اس وجہ سے بادشاہ کو مجھ سے کچھ تعرض کرنا ہے۔ میں یہاں سے بھی چلا جاتا ہوں۔



اللہ کی زمین وسیع ہے سلطان علاء الدین اس جواب سے بہت خوش ہوا اور کہا کہ میں جانتا تھا کہ حضرت خواجہ کو امور سلطنت و سیاست سے کوئی سروکار نہیں لیکن بدخواہ چاہتے ہیں کہ مجھے مردانِ خدا سے لڑادیں اور اس طرح ملک تباہ ہو جائے!

سلطان نے حضرت خواجہ سے بڑی معذرت کی

بادشاہ کے آنے سے معذرت

اور کہلوا یا کہ میں اُن مخدوم کا معتمد ہوں۔ مجھ سے گستاخی ہوئی معاف کیا جائے اور حاضری کی اجازت دیجائے کہ قدمبوسی کی سعادت حاصل کروں۔ حضرت خواجہ نے ارشاد فرمایا کہ آنے کی حاجت نہیں۔ میں غائبانہ دعا کرتا ہوں۔ اور غائبانہ دعا بڑی موثر ہوتی ہے!

سلطان نے اس کے بعد بھی ملاقات کے لئے بڑا اصرار کیا

گھر کے دو دروازے

حضرت نے فرمایا کہ اس فقیر کے گھر میں دو دروازے ہیں۔ بادشاہ ایک دروازے سے آئے گا میں دوسرے دروازے سے باہر چلا جاؤں گا۔

۲ ایضاً ۱۳۵

۱ سیر الاولیاء ۱۳۴

۳ سیر الاولیاء ۱۳۵



اگرچہ علامہ الدین حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکا۔ لیکن اس کو آپ سے برابر عقیدت رہی۔ اور وہ مہمات سلطنت اور فکر و تردد کے موقع پر حضرت خواجہ سے رجوع کرتا رہا۔ ایسے موقع پر وہ آپ سے دعا کی درخواست کرتا اور آپ اہتمام کے ساتھ دعا فرماتے۔

قاضی ضیاء الدین برنی لکھتے ہیں کہ جب ملک نائب دکانور ونگل کے محاصرہ میں مشغول تھا۔ ننگانہ کا راستہ پر خطر ہو گیا تھا۔ راستہ کے نجانے اور چوکیاں بھی اٹھ گئیں تھیں۔ چالیس روز سے زیادہ ہو گئے تھے کہ لشکر کی سلامتی کی اور خیریت کی اطلاع سلطان تک نہیں پہنچی تھی سلطان کو بڑا تردد تھا۔ اکثر اعیان و امرایہ دربار کا خیال ہونے لگا تھا کہ لشکر کسی حادثہ یا فتنہ کے نذر ہو گیا کہ سلسلہ رسل و رسائل منقطع ہو گیا ہے۔ اسی فکر و تردد کے ایام میں ایک روز سلطان نے ملک قرایگ اور قاضی مفیث الدین بیانومی کو حضرت خواجہ کی خدمت میں بھیجا اور کہلایا کہ لشکر اسلام کی خیریت نہ معلوم ہونے سے مجھے سخت تردد ہے۔ آپ کو اسلام کا عزم اور فکر مجھ سے زیادہ ہی ہے۔ اگر نور باطن سے آپ کو لشکر کا کوئی حال معلوم ہو تو مجھے مطمئن و سرور فرمائیں۔ سلطان نے پیغام لے جانے والوں کو ہدایت کی کہ حضرت کی زبان سے اس موقع پر جو کچھ نکلے اس کو محفوظ رکھیں۔ اس میں کوئی کمی بیشی نہ کریں۔ وہ دونوں حضرات شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سلطان کا پیغام پہنچا یا۔ آپ نے پیغام



سننے کے بعد بادشاہ کی فتح و نصرت کا حال بیان کرنا شروع کیا اور فرمایا کہ یہ فتح کیا ہے ہم اور فتوحات کی بھی امید رکھتے ہیں۔ یہ سنکر ملک قراہنگ اور قاضی مغیث الدین شاداں و فرجاں واپس آئے اور سلطان کو جواب سنایا۔ سلطان یہ جواب سنکر بہت خوش ہوا۔ اس کو یقین ہو گیا کہ ونگل فتح ہو چکا۔۔۔۔۔ اسی روز نماز عصر سے فارغ ہونے تھے کہ ملک نائب کے قاصد پہنچے اور ونگل کا فتح نامہ لائے۔ جمعہ کے دن وہ فتح نامہ منبروں پر سے پڑھ کر سنایا گیا۔ صحن میں خوشی کا تقارہ بجا اور خوشیاں منائی گئیں سلطان کا اعتقاد اور بڑھ گیا۔

ایک دوسری مرتبہ جب مغل دہلی پر حملہ آور ہوئے سلطان بنفس نفیس جنگ میں شریک تھا۔ اس نے حضرت خواجہ کی خدمت میں عرض کر وایا کہ یہ بڑا اہم موقع ہے۔ آپ متوجہ رہیں۔ حضرت خواجہ نے تمام اہل خانقاہ سے ارشاد فرمایا کہ متوجہ الی اللہ رہیں اور خدا سے مسلمانوں کی فتح کی دعا کریں۔ چنانچہ سب مشغول رہے اور تھوڑے ہی عرصہ میں فتح کی خبر آتی مغلوں نے شکست فاش کھائی۔

قاضی ضیاء الدین سلطان علاء الدین کے اہل دربار میں سے تھے کہتے ہیں کہ اپنے پورے عہد حکومت میں کبھی سلطان کی زبان سے حضرت خواجہ کے

۱۔ تاریخ فیروز شاہی ص ۳۳۴

۲۔ سیر الاولیاء ص ۱۹۰

بارے میں کوئی خلاف شان بات نہیں نکلی۔ اگرچہ دشمن اور حاسدین شیخ کی شاہانہ داد و دہش رجوع خلاق اور شاہی لنگر کو سلطان سے رنگ آمیزی اور ایسے طریقے پر بیان کرتے کہ سلطان بدگمان ہو جاتے لیکن سلطان نے کبھی اس کی طرف التفات نہیں کیا اور خاص طور پر اپنے آخر عہد میں اس کو حضرت سے غایت درجہ کا اخلاص و اعتقاد پیدا ہو گیا تھا۔ اس سب کے باوجود کبھی ملاقات کی نوبت نہ آئی۔

سلطان قطب الدین کی مخالفت اور اس کا قتل

سلطان علاء الدین کے بعد اس کا دوسرا بیٹا قطب الدین مبارک شاہ ولی عہد سلطنت خنخاں کو محروم و مکحول کر کے غاصبانہ تخت سلطنت پر بیٹھا۔

خنخاں چونکہ حضرت والا کا مرید تھا اور وہی علاء الدین کا ولی عہد تھا جس سے قطب الدین نے حکومت غضب کی تھی۔ اس لئے قطب الدین حضرت سے بھی ناراض رہتا تھا۔ اس نے اپنی ایک نئی جامع مسجد جامع میری کے نام سے بنوائی تھی۔ اور تمام مشائخ و علماء کو حکم تھا کہ اسی میں آکر نماز جمعہ ادا کریں سلطان المشائخ نے کہلا بھیجا کہ ”ما مسجد نزدیک دار کیم و این احق است ہمیں جا خواہم گزار“ دہارے قریب ایک مسجد ہے اس کا حق زیادہ ہے ہم وہیں نماز پڑھیں گے، اور وہ جامع میری نہیں گئے۔

بادشاہ سخت برا فروختہ ہوا۔ اسی کے ساتھ ہر نوچندی کو اعیان اور مشاہیر شہر دربار شاہی میں پیش ہو کر نذر گزارتے تھے۔ سلطان المشائخ اس تقریب میں بھی شریک نہیں ہوتے تھے اوائے رسم کے لئے اپنے خادم اقبال کو بھیجتے تھے۔ اس سے بھی وہ برہم تھا۔ اس نے اپنے تمام امرار و وزراء کو حکم دیا کہ

”کسے زیارتِ شیخِ نجیث پور نہ رود“

دکوئی شیخ کی زیارت کیلئے نجیث پور نہ جائے،

امیر خسرو نے یہ لکھا ہے کہ ”بارہا می گفت کہ ہر کہ سر شیخ برد ہزار تنکا اورا وہم“ (جو شیخ کا سر لائے گا اس کو ہزار تنکا دوں گا) ایک روز شیخ ضیاء الدین رومی کی درگاہ میں سلطان جی اور قطب الدین کا آمناسا منا بھی ہو گیا۔ سلطان جی نے بحیثیت ایک مسلمان ہونے کے سلام کیا۔ قطب الدین نے جواب نہ دیا۔ یوں مسلسل واقعات قطب الدین کی حکومت کے چار سالہ مدت میں پیش آتے رہے۔ نوچندی کی حاضری پر امرار کا قصہ سب سے آخر میں پیش آیا۔ قطب الدین نے بھرے دربار میں اعلان کیا کہ ”اگر درغزہ ماہ آئندہ نیا مد بیاریم چنانکہ

کہ دانیلم "گویا" یہ اس کی دھمکی تھی کہ بزور حکومت دربار
 میں گھسٹو کر بلواؤں گا۔ شاید قتل ہی کا ارادہ ہو۔ سلطان جی
 کو بادشاہ کے اس عزم مصمم کی خبر پہنچی۔ سلطان المشائخ یسح
 نگفت۔ اب مہینہ ایک ایک کر کے ختم ہوتا جا رہا تھا۔ ہر چند
 ماہ نزدیک رسید التفات مخلصان راہ روئے بیشتر می داد۔ مہینہ
 جتنا نزدیک آ رہا تھا اہل تعلق کا فکر و تردد بڑھتا جا رہا تھا، چاند
 مغرب کے بعد دیکھا گیا۔ کل پہلی تاریخ ہے۔ شہر کے اعیان
 و امراء دربار میں جا میں گئے۔ لیکن سلطان المشائخ یہی طے
 کتے ہوئے ہیں کہ میں نہیں جاؤں گا۔ قطب الدین یہ فیصلہ کتے
 ہوئے ہے کہ "اگر نیامد بیاریم چنانکہ دانیلم" "صرف شب
 درمیان است" دلی میں کھلبلی مچی ہوئی ہے۔ دنیا اور دین
 کے دو بادشاہوں کا کل معرکہ ہے۔ رات گزرنے بھی پہ پائی
 کہ "ہم دریں شب ماہ بلا تے از آسمان بر جان بادشاہ نازل شد"
 داسی شب ماہ میں بادشاہ کی جان پر آفت آسمانی نازل ہوئی،
 یعنی "خسرو خاں موئے سر سلطان را گرفت و باہم در آویختند
 پہلوئے سلطان را بہ خنجر شکافند بر زمین انداخت و سراں
 مشوم را از تن جدا کردہ از بام ہزار ستون بزیر افگند" (طباطبائی)
 خسرو خاں نے بادشاہ کے سر کے بال پکڑے۔ دونوں باہم دست
 و گریبان ہوئے خسرو خاں نے سلطان کے پہلو کو خنجر سے حیر



کر زمین پر ڈال دیا۔ اور اس شامت زدہ کاسرتن سے
جدا کر کے بام ہزار ستون سے نیچے زمین پر پھینک دیا۔

۱۷ نظام تعلیم و تربیت ص ۲۳۔ سیر الاولیاء میں یہ واقعہ منقول ہے مگر تاریخ و ماہ سنہ و درج
نہیں۔ ص ۱۵ و ۱۶ تاریخ فرشتہ جلد اول میں بعض من تذکرہ قطب الدین سلطان کے
قتل کی تاریخ شب پنجم ربیع الاول ۷۲۱ھ مذکور ہے جس کے ساتھ نو چندی کے
سلام کی روایت اور چاند رات میں بادشاہ کے قتل کا واقعہ میل نہیں کھاتا (ص ۲۲) پھر
اسی کتاب کے جلد دوم میں جہاں حضرت سلطان المشائخ کا تذکرہ ہے وہاں سلطان
کے قتل کی تاریخ ۲۹ شوال لکھی ہے اور سنہ کا تذکرہ نہیں (ص ۷۰ و ص ۷۱ جلد ۲)
لیکن اس سلسلہ میں سب سے قدیم تراور قابل اعتماد ماخذ امیر خسرو کی منظوم "تغلق نامہ"
ہے جو سلطان غیاث الدین تغلق کے عہد کی تصنیف اور امیر کی مستند و مشہور منظوم
ہے اس میں انھوں نے نہایت صراحت سے لکھا ہے کہ قطب الدین کا قتل جلدی الثانی
۷۲۰ھ کی عین چاند رات کو واقع ہوا۔ وہ فرماتے ہیں۔

چوں تاریخ عرب شد مفصل بویست ثبات قطب شد کم جانب زلیست
جماد و کین راشد پدیدار ہلال تیرہ و تاریک دیدار
مبارک بووا از حالت تلخ بناخن کردہ خود را پیش ازاں سلخ
شد آن مہر ہر گمبہاں مبارک مگر بر طالع سلطان مبارک

تغلق نامہ ص ۱۹ طبع حیدرآباد

ان اشعار سے تاریخ کا بھی صحیح تعین ہو گیا اور واقعہ کی نوعیت و اہمیت کی تصدیق

ہو گئی۔ ۱۲

۵ - محبوب الہی

غیبی فکر

اسی زمانہ میں جب سلطان قطب الدین کی طرف سے اس بات کی خاص روک تھام تھی کہ امرار دربار

اور اعیان سلطنت کی طرف سے حضرت خواجہ کی خدمت میں کوئی نذر پیشکش نہ ہونے پاتے۔ تاکہ دیکھا جائے کہ یہ شاہانہ لنگر خانہ کس طرح چلتا ہے۔ آپ نے خاص طور پر تاکید فرما رکھی تھی کہ اس زمانہ میں کھانا زیادہ پکایا جائے اور دسترخوان وسیع سے وسیع تر کر دیا جائے۔ حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی نے فرمایا۔

ایک بار سلطان قطب الدین کو کسی بدخواہ نے کہا کہ شیخ ہماری فتوحات قبول نہیں کرتے۔ اور امرار و سرداروں کی لائی ہوئی فتوحات قبول کرتے ہیں۔ آخر وہ سب بھی تو آپ ہی کے یہاں سے لے جاتے ہیں۔ سلطان قطب الدین نے یہ بات سچ جان کر حکم کیا کہ کوئی امیر یا سردار شیخ کے یہاں نہ جائے۔ دیکھو وہ اس قدر دعوت لوگوں کی کہاں سے کرتے ہیں۔ اور جاسوس مقرر کئے کہ دیکھتے رہیں جو امیر وہاں جاوے مجھے آکر اطلاع کریں۔ جناب شیخ نے جب یہ سنا فرمایا۔ کھانا آج سے زیادہ پکایا جاوے۔ ایک مدت بعد سلطان نے لوگوں سے دریافت کیا کہ خالقاہ شیخ کا کیا حال ہے؟ انہوں نے عرض کی کہ سابق جس قدر پکتا تھا اب اس سے دوگنا پکتا ہے بادشاہ یہ سن کر پشیمان ہوا کہا میں غلطی برکتھا۔ آپ کا معاملہ



عالمِ غیب سے ہے۔

غیاث الدین تغلق کا عہد اور سرکاری مجلس مناظرہ

قطب الدین مبارک شاہ کے بعد چند مہینے خسرو خاں نے غاصبانہ سلطنت کی اور شاعر اسلام کو سرنگوں کر کے اسلام کی تذبذب کی۔ ۱۱۱۱ء میں غیاث الدین تغلق (ملک غازی) نے خسرو خاں کو قتل کر کے تغلق خاندان کی سلطنت کی بنیاد ڈالی سلطان غیاث الدین اگرچہ صاحبِ علم نہ تھا لیکن شریعت اور علماء کا احترام کیا کرتا تھا حضرت خواجہ سماع سنتے تھے ان کی وجہ سے دہلی میں اس کا عام ذوق اور رواج ہو گیا تھا۔ ایک شخص شیخ زادہ حسام الدین فرجام نامی جو ایک عرصہ تک حضرت خواجہ کے سایہ عاطفت میں رہا تھا اور باوجود مجاہدوں کے ذوق و شوق اور عشق کی دولت سے فیضاب نہیں ہو سکا تھا۔ نیز قاضی جلال الدین الولوجی نائب حاکم مملکت کو بھی اہل درد و محبت سے ایک طرح کی کد تھی۔ قاضی صاحب اور دوسرے علماء نے شیخ زادہ حسام کو آمادہ کیا اور اس نے بادشاہ کو متوجہ کیا کہ خواجہ نظام الدین مقتدرائے زمانہ ہیں اور وہ

۱۔ خیر المجالس ماخوذ از ترجمہ ص ۱۲۱

۲۔ سماع کی حقیقت، اغراض و مقاصد اور اس کے ادب و احکام کی بحث چوتھے

باب "اذواق و کیفیات" میں ملاحظہ ہو۔ ۱۲

سماع سنتے ہیں جو امام اعظمؒ کے مذہب میں حرام ہے اور ان کی وجہ سے ہزار ہا مخلوق اس فعل ممنوع کا ارتکاب کرتی ہے سلطان اس مسئلہ سے بے خبر تھا۔ اس کو تعجب ہوا کہ ایسے بزرگ جو مقتدائے عالم ہیں ایسا نامشروع کام کیسے کرتے ہیں۔ لوگوں نے سماع کی حلت کے فتوے اور کتب شرعیہ کی روایات بادشاہ کے سامنے پیش کیں۔ بادشاہ نے کہا کہ چونکہ علماء دین نے سماع کی حرمت کا فتویٰ دیا ہے اور وہ اس کو منع کرتے ہیں اس لئے حضرت خواجہ اور تمام علماء شہر اور صدوروں کو طلب کیا جاتے اور ایک مجلس منعقد کی جاتی تاکہ یہ تحقیق ہو جاتے کہ حق کیا ہے۔ میر خورد کی زبان سے اس کی تفصیل سنئے۔

قصر شاہی میں حضرت خواجہ کی طلبی ہوئی حضرت خواجہ قاضی محمدی الدین کاشانی اور مولانا فخر الدین زراوی کی معیت میں کہ دونوں سرآمد علماء اور اساتذہ وقت تھے محفل میں تشریف لے گئے۔ پہلے قاضی جلال الدین نائب حاکم نے حضرت خواجہ کو وعظ و نصیحت شروع کی اور نامناسب طریقے پر آپ سے خطاب کیا۔ یہاں تک کہا کہ اگر اس کے بعد آپ نے سماع کی حلت کا دعویٰ کیا اور سماع سنا تو میں حاکم شرع ہوں۔ میں آپ کو سزا دوں گا۔ یہ سن کر حضرت خواجہ کو جلال آگیا اور فرمایا کہ جس منصب کے بھروسہ پر تم یہ بات کہہ رہے ہو اس سے معزول ہو جاؤ گے۔ چنانچہ ٹھیک بارہ روز بعد قاضی اپنے منصب سے معزول ہو کر دہلی سے



روانہ ہو گئے۔ خلاصہ یہ کہ اس مجلس مباحثہ میں تمام علماء و اکابر
 صدور و اُمراء و ارکانِ سلطنت حاضر تھے۔ بادشاہ اور سب
 حاضرینِ مجلس کی توجہ حضرت خواجہ کی طرف تھی۔ اور سب
 آپ کی تعظیم کرتے تھے۔ شیخ زادہ حسام نے کہا کہ آپ کی مجلس
 میں سماع ہوتا ہے لوگ رقص کرتے ہیں۔ آہ و لغزہ لگاتے ہیں
 اسی طرح اور بہت سی باتیں کہیں۔ حضرت خواجہؒ نے شیخ زادہ کی
 طرف دیکھا اور فرمایا شور مت کرو۔ زیادہ بولنے کی ضرورت
 نہیں۔ پہلے یہ بتلاؤ کہ سماع کی تعریف کیا ہے؟ شیخ زادہ حسام
 نے کہا کہ میں نہیں جانتا۔ البتہ اتنا جانتا ہوں کہ علماء۔ سماع کو حرام
 کہتے ہیں۔ حضرت خواجہؒ نے فرمایا کہ جب تک سماع کے معنی ہی نہیں
 معلوم تو مجھے تم سے کچھ کہنا نہیں ہے۔ اور نہ کہنا چاہیے۔ شیخ زادہ
 حسام شرمندہ ہوا۔ بادشاہ پور کی توجہ سے آپ کی تقریر سن
 رہا تھا۔ جب کوئی زور سے بات کرتا تو کہتا کہ شور مت کرو۔ سنو
 کہ شیخ کیا فرماتے ہیں۔ حاضر الوقت علماء۔ ہیں مولانا حمید الدین
 اور مولانا شہاب الدین ملتانی خاموش تھے۔ مولانا حمید الدین نے
 اتنا فرمایا کہ یہ مدعی حضرت خواجہ کی مجلس کا جو حال بیان کرتے ہیں
 یہ واقعہ کے خلاف ہے میں نے خود دیکھا ہے اور بہت سے
 مشایخ اور درویشوں کو بھی میں نے دیکھا ہے۔
 اسی دوران میں شیخ الاسلام شیخ بہار الدین زکریا ملتانیؒ کے

نواسے مولانا علم الدین آگئے۔ بادشاہ نے ان سے کہا کہ آپ بھی
 عالم ہیں اورستیاح بھی اس وقت سماع کی بحث درپیش ہے میں
 آپ سے پوچھتا ہوں کہ سماع سنا حرام ہے یا حلال؟ مولانا علم الدین
 نے کہا کہ میں نے اس باب میں ایک رسالہ تصنیف کیا ہے اس
 میں اس کی حرمت و حلت کے دلائل نقل کئے ہیں۔ تحقیق یہ
 ہے کہ جو دل سے سنتے ہیں ان کیلئے حلال ہے اور جو نفس سے
 سنتے ہیں ان کے لئے حرام۔ اس کے بعد بادشاہ نے مولانا علم الدین
 سے پوچھا کہ آپ بغداد و شام و روم ہر جگہ پھر چکے ہیں وہاں
 کے مشائخ سماع سنتے ہیں یا نہیں، اور وہاں کوئی منع کرتا ہے۔
 مولانا علم الدین نے فرمایا کہ ان سب شہروں میں بزرگ
 و مشائخ سماع سنتے ہیں اور بعض دن و شبانہ کے ساتھ
 بھی، کوئی مانع نہیں ہوتا۔ اور سماع مشائخ کے درمیان حضرت
 جنید و شبلیؒ کے وقت سے مروج چلا آرہا ہے۔ بادشاہ مولانا
 علم الدین کی زبان سے یہ سنکر خاموش ہو گیا۔ اور اس نے کچھ
 نہیں کہا۔ مولانا جلال الدین نے عرض کیا کہ بادشاہ سماع کی حرمت
 کا فرمان صادر کر دیں اور امام اعظمؒ کے مذہب کی پاسداری
 فرمائیں۔ اس پر حضرت خواجہ نے بادشاہ سے کہا کہ میں چاہتا
 ہوں کہ آپ اس بار سے میں کوئی فرمان جاری نہ کریں۔ بادشاہ
 نے آپ کا یہ مشورہ قبول کیا اور اس بار سے میں کوئی فیصلہ صادر

نہیں کیا۔ مولانا فخر الدین (جو مجلس میں حاضر تھے) کا بیان ہے کہ
ابتداءً چاشت سے زوال تک یہ بحث جاری رہی۔ اہل مجلس
تحریم کی کوئی دلیل نہیں دے سکے اور آخر میں اس پر بحث
اگر ختم ہو گئی کہ اس کا ترک اولیٰ ہے یا اس کا فعل۔ دوسری
روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ نے فیصلہ کیا کہ حضرت
خواجہ سماع سن سکتے ہیں۔ اور کسی کو ان کو منع کرنے کی
اجازت نہیں لیکن یہ روایت مرجوح ہے۔
انہیں دنوں میں کسی نے حضرت خواجہؒ سے کہا کہ اب تو سماع
کے لئے فرمان سلطانی ہو گیا ہے کہ آپ جس وقت چاہیں سماع سنیں
وہ حلال ہے۔ حضرت خواجہ نے فرمایا کہ اگر وہ حلال ہے
تو کسی کے کہنے سے حرام نہیں ہو سکتا۔ مجلس کے اختتام پر
بادشاہ نے حضرت خواجہ کو بڑی تعظیم و تکریم کے ساتھ
رخصت کیا۔

مجلس مناظرہ کا حال حضرت خواجہ کی زبان سے

قاضی ضیاء الدین برنی اپنی کتاب "حسرت نامہ" میں لکھتے ہیں کہ
جب حضرت خواجہ اس مجلس سے فارغ ہو کر مکان پر تشریف لاتے تو

۱۔ سیر الاولیاء با حصار ص ۵۲۴ تا ۵۲۶۔

آپ نے نماز ظہر کے وقت مولانا محی الدین کاشانی اور امیر خسرو کو طلب فرمایا۔ ارشاد ہوا کہ وہی کے علماء عداوت و حسد سے بھرے ہوتے تھے۔ انہوں نے وسیع میدان پایا اور دشمنی کی بہت سی باتیں کیں۔ عجائب بات یہ دیکھی کہ صحیح احادیث نبویہ کا سنتا ان کو گوارا نہیں تھا۔ ان کے جواب میں یہی کہتے تھے کہ ہمارے شہر میں فقہ پر عمل حدیث پر مقدم ہے۔ یہ باتیں وہی کہہ سکتے ہیں جن کا احادیث نبویہ پر اعتقاد نہ ہو۔ میں جب کوئی صحیح حدیث پڑھتا تو وہ ناراض ہوتے اور کہتے تھے کہ اس حدیث سے امام شافعیؒ استدلال کرتے ہیں اور وہ ہمارے علماء کے دشمن ہیں۔ ہم نہیں سنیں گے معلوم نہیں کہ یہ با اعتقاد ہیں یا نہیں۔ اولوالامر کے سامنے ایسی زبردستی سے کام لیتے تھے اور احادیث صحیح کو روکتے تھے۔ میں نے کوئی عام ایسا دیکھا نہ سنا کہ اس کے سامنے احادیث صحیحہ پڑھی جائیں اور وہ کہے کہ میں نہیں سنتا۔ میں نہیں سمجھتا کہ یہ کیا قصہ ہے اور وہ شہر جہاں ایسی جرات اور زبردستی کی جاتی ہے وہ کیسے آباد رہ سکتا ہے تعجب نہیں کہ اگر اس کی اینٹ سے اینٹ بچ جائے۔ اس کے بعد بادشاہ اور امراء اور عوام جب قاضی شہر اور علماء شہر سے یہ سنیں گے کہ اس شہر میں حدیث پر عمل نہیں ہوتا تو ان کا حدیث نبوی پر اعتقاد کیسے رہے گا۔ مجھے ڈر ہے کہ علماء شہر کی اس بد عقیدگی کی نحوست سے آسمان سے بلا و جلاء و قحط و وبا نہ برے۔

لہ سیر الاولیاء ص ۵۲۴ و ۵۲۵۔



دہلی کی تباہی

اس واقعہ کے ٹھیک چھٹے سال حضرت خواجہ کی وفات

کے بعد سلطان غیاث الدین تغلق کے فرزند اور جانشین

محمد تغلق نے دلی کو بالکل خالی کر دینے اور دیوگیر (دولت آباد) منتقل ہو جانے

کا فرمان جاری کیا اور اس میں ایسی ضد اور عجلت سے کام لیا کہ حقیقتاً شہر کی

اینٹ سے اینٹ بچ گئی اور دلی سا گلزار و آباد شہر جس میں پہلے رہنے کو جگہ نہیں

ملتی تھی ایسا خالی ہوا کہ سوائے جنگلی جانوروں اور درندوں کے وہاں کسی متنفس

کی شکل نظر نہیں آتی تھی۔

محمد قاسم تاریخ فرشتہ میں لکھتا ہے۔

احد سے از مردم دہلی را کہ بآب

وہوا آن جا خو گرفتہ بودند بحال

خود نگداشته طراً بدولت

آباد فرستاد و دہلی بنوعے

وہماں گشت کہ آواز ییچ

متنفس بجز شغال در و باہ و

جالوران صحرائی بگوش نمی

رسید۔

کار پردازان حکومت نے کسی

ایک شخص کو بھی جو دہلی کی آب و ہوا

کا خوگر تھا اپنی جگہ نہیں چھوڑا۔ سب کو

کلیتہً دولت آباد (دیوگیر) بھیجا اور

دہلی اس طرح ویران ہوتی کہ

کسی ایک جاندار کی آواز بھی

سوائے گیدڑ، لومڑی اور جنگلی

جانوروں کے کان میں نہیں آتی

تھی۔

تاریخ فرشتہ (جلد اول) ص ۱۴۳۔

وہ تمام علماء جو اس مجلس میں موجود تھے اور دوسرے بھی ان کی بدولت آباد جلاوطن ہوئے دولت آباد پہنچے تو وہاں سخت قحط اور وبا کا سامنا کرنا پڑا۔ ہزاروں راستہ میں لقمہ اجل بن گئے اور ہزاروں وہاں پہنچ کر قحط اور بیماریوں کا شکار ہوئے اور حضرت خواجہ کی پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوئی۔

نظام الاوقات امیر خور نے حضرت خواجہ کا نظام الاوقات اس طرح لکھا ہے۔

روزہ افطار کرنے کے بعد جو اہل جماعت کے ساتھ ہوتا تھا، اپنے بالاخانہ کے قیام گاہ پر تشریف لے جاتے تھے۔ اجباب و خدام جو شہر اور اطراف سے آئے ہوتے ہوتے تھے مغرب و عشاء کے درمیان اوپر ہی بلائے جاتے تھے ایک گھڑی وہاں ہم نشینی اور ملاقات کا شرف حاصل ہوتا۔ ہر قسم کے تر و خشک میوے اور کھانے پینے کی لطیف و لذیذ چیزیں حاضر کی جاتی تھی۔ حاضرین مجلس تناول کرتے، آپ ہر ایک کی دلداری فرماتے اور خیریت و حالات دریافت فرماتے۔

امیر خسرو کی خصوصیت عشاء کی نماز پڑھنے کے لئے پھر نیچے تشریف لاتے جماعت کے ساتھ نماز پڑھ کر پھر بالاخانہ پر تشریف لے جاتے۔ کچھ دیر مشغول رہتے،



پھر آرام کرنے کے لئے چار پانی پر تشریف لے جاتے، اس وقت خدام تسبیح لاکر آپ کے ہاتھ میں دیتے، اس وقت سوائے امیر خسرو کے کسی کے آنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ وہ سامنے بیٹھ کر ہر طرح کے قصے اور باتیں کرتے آپ پسندیدگی میں سر مبارک کو حرکت دیتے۔ وقتاً فوقتاً ارشاد ہوتا کہ ترک کیا خبر ہے؟ امیر خسرو اتنی بات سن کر طویل گفتگو کا موقع نکال لیتے۔ اگر آپ ایک نکتہ پوچھتے تو وہ پوری داستان سناتے اس موقع پر بعض کم سن اعزہ اور بعض پروردہ جو صاحب خانہ تھے حاضر ہوتے اور قد مبوسی کرتے۔

امیر خسرو کو حضرت خواجہ سے جو الہانہ و عاشقانہ تعلق تھا وہ ان کے سوانح اور دیوان سے معلوم ہوتا ہے۔ بل کاکل سے اور پروانہ کو شمع سے جو تعلق ہوتا ہے اسی طرح کا تعلق امیر خسرو کو اپنے مرشد سے تھا۔ حضرت خواجہ کو بھی اس عاشق صادق سے ایسا تعلق تھا کہ فرماتے تھے کہ "من از ہر تنگ آیم و از تو تنگ نیام" مجھے بعض اوقات ہر ایک سے وحشت ہونے لگتی ہے لیکن اس حالت میں بھی تم سے نہیں ہوتی۔ مزید برآں ایک بار فرمایا۔ از ہر کس تنگ آیم تا حدی کہ از خود تنگ آیم و از تنگ نیام۔ بعض اوقات اپنے سے بھی اکتانے لگتا ہوں مگر تم سے نہیں اکتا تا دیر لاویا۔ ص ۳۱) ایک بار ارشاد فرمایا کہ ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ آپ امیر خسرو کو جس نظر سے دیکھتے ہیں ایک بار وہ نظر مجھ پر ڈال دیکھتے۔ میں نے اس کو تو کوئی جواب نہیں دیا لیکن میرے دل میں آیا کہ اس سے کہوں کہ وہ قابلیت تو لاؤ۔ ص ۳۲) لے۔ عرفی می تو ان گفتن تمنائے جہانے را پوسن از شوق حضوری طولی آدم داستان را

نخفت خسرو مسکین از میں ہوس شبہا
کہ دیدہ بر کف پائیت نہد بخواب شود

شب کی تیاری

جب امیر خسرو اور صاحبزادگان اجازت
لیکر رخصت ہوتے تو اقبال خادم آتے اور

پانی کے بھرے ہوئے چند آفتابے آپ کے وضو کے لئے رکھ کر باہر چلے جاتے
اس کے بعد حضرت خواجہ خود اٹھتے اور دروازہ کو زنجیر لگاتے پھر وہاں
کی خبر اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔ خدا ہی جانتا ہے کہ تمام رات کیا راز و نیاز
ہوتے اور اپنے الگ سے کیا ذوق و شوق کی باتیں ہوتیں۔ حضرت خواجہ کے
ہاتھ کے لکھے ہوتے یہ دو شعر دیکھے ہیں جو بالکل حسب حال ہیں۔

تنہا منم و شب و چراغی مونس شدہ تا لپگاہ روزم
کا ہش ز آہ سرد بکشم گاہ از لطف سینہ بر فروزم

کبھی کبھی یہ شعر بھی آپ کی زبان مبارک سے سنا گیا ہے۔ اور حکایت
حال ہے۔

بارے بہ تماشا تے من و شمع بیا
کز من و کے نہاند و ازوے دودے

سحر کا وقت ہوتا تو خادم آتا اور باہر سے دروازہ پر دستک
دیتا، حضرت خواجہ دروازہ کھول دیتے، سحری جس میں ہر قسم

سحری

کی چیزیں ہوتیں سامنے رکھتا۔ آپ اس میں سے بہت کم تناول فرماتے، باقی
کے لئے ارشاد ہوتا کہ بچوں کے لئے حفاظت سے رکھ لو، خواجہ عبد الرحیم



جن کے ذمہ سحر کالے جانا تھا۔ بیان کرتے ہیں کہ اکثر ہوتا کہ حضرت خواجہ سحری میں سے کچھ نہ کھاتے، میں عرض کرتا کہ حضرت والا افطار کے وقت بھی بہت کم کھاتے ہیں اگر سحری بھی کچھ نہ کریں گے تو صنف بہت بڑھ جائے گا۔ اس پر گر یہ فرماتے اور کہتے کہ کتنے عزیز اور بے کس مسجدوں کے کونوں اور چبوتروں پر بھوکے پڑے ہوتے ہیں اور فاقہ سے رات گزار دیتے ہیں۔ یہ کھانا میرے حلق سے کیسے اتر سکتا ہے۔ چنانچہ اکثر ایسا ہوتا کہ سحری میں جیسی لاتا ویسی ہی اٹھا کر لے جاتا۔

جب دن ہوتا۔ جس کی جمال مبارک پر نظر پڑتی دیکھنا کہ کھلی ہوئی مستی ہے اور آنکھیں

صبح کے وقت

بیداری سے سُرخ ہیں۔ ایسے شدید مجاہدوں سے بھی آپ کے اندر کوئی صنف نظر نہ آتا۔ اور آپ کی کسی ہیئت میں جو آپ کی معمول تھی تغیر نہ ہوتا کوئی کہہ نہیں سکتا تھا کہ آپ چار سو یا پانچ سو رکعت نماز پڑھتے ہیں یا اتنی تسبیح کا معمول ہے۔ عمر عزیزان باطنی مشغولیتوں میں گزارتی جن کا حال اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں اور دلجوئی اور قلوب کے تفقد و دریافت میں مشغول رہتے۔ جس سے افضل کوئی کام نہیں۔

دل بدست آور کہ حج اکبر ست

دن میں تمام روز اپنے مشائخ کے سجادہ پر قبلہ رو باطنی

طور پر مشغول **دن میں** مَتَوَجِّهًا إِلَى اللَّهِ تَعَالَى كَأَنَّهُ يَنْظُرُ إِلَيْهِ وَاللَّهُ كِي طَرَفٍ

متوجہ ہو کر گویا وہ رو برو ہے، پیٹھ کر گزار دیتے۔ آنے والوں میں

مختلف طبقوں کے لوگ ہوتے، علماء و مشائخ، صدور و اکابر، وینع و شریف ہر ایک کے علم و مرتبہ کے مطابق جس کا جو فن ہوتا اس میں اس سے گفتگو کرتے اور اس کی دلجوئی فرماتے، ظاہری طور پر ان میں مشغول ہوتے اور باطن میں یور سے طور پر مشغول بحق ہوتے یہ

نماز ظہر کا وقت ہوتا، نماز ادا کرنے کے بعد جو عزیز و قریب موبوسی کیلئے آئے ہوئے ہوتے

دلدار کی تربیت

ان کو طلب فرمایا جاتا اور ان سے گفتگو و دلداری میں کچھ وقت گزارتا، عبادت و سلوک و محبت الہی کے بارے میں ان کی رہنمائی کی جاتی۔ اکابر علماء و صلحاء کی (جو اس مجلس میں حاضر ہوتے) ہمت نہ ہوتی کہ سر اٹھا کر چہرہ مبارک کو دیکھتے۔ ایسا رعب اور من جانب اللہ عظمت تھی کہ آپ کے چہرے پر نظر کرنا مشکل تھا۔

عمر مبارک جب اشقی سے متجاوز ہوتی تو سفر آخرت کے آثار نمایاں ہوتے۔ ایک روز ارشاد فرمایا کہ میں نے خواب میں حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ارشاد ہوا۔

”نظام ہم کو تمہارا بڑا اشتیاق ہے۔“

۱۲۹ سیر الاولیاء ص ۱۲۵ و ص ۱۲۹

۱۲۷ سیر الاولیاء ص ۱۲۷

خلفا کبار کو اجازت نامے اور ان کی محبت و موافقت

بیماری کے دوران میں آپ نے متعدد حضرات کو خلافت عطا فرمائی۔ اور اجازت نامے لکھ کر دیئے۔ مولانا فخر الدین زراوی نے ان کا مضمون مرتب کیا اور سید حسین کرمانی نے ان کی کتابت کی، آپ نے ان پر اپنے دستخط مبارک ثبت کئے۔ دستخط کے الفاظ یہ تھے: "مِنَ الْفَقِيْرِ مُحَمَّدِ ابْنِ أَحْمَدَ ابْنِ عَلِيٍّ الْبَدَاوِيِّ الْبُخَارِيِّ"۔ ان اجازت ناموں پر ۲۰ رذی الحجہ ۲۲۷ھ ۷۷۷ھ درج ہے۔ گویا یہ وفات سے تین مہینے ۲۷ دن پہلے لکھے گئے ہیں۔ جن حضرات کے لئے یہ اجازت نامے تھے ان کو جہاں جہاں وہ تھے پہنچا دیئے گئے۔ جو حضرات موجود تھے ان کو بلا کر خود عطا کئے گئے۔ پہلے شیخ قطب الدین منور کی طلبی ہوئی۔ سلطان المشرع نے خلعت خلافت عطا فرمایا اور وصیت فرمائی۔ اجازت نامہ ان کو مرحمت ہوا کہ جاؤ دو گانہ ادا کرو۔ دوستوں نے مبارکباد دی۔ اسی دوران میں شیخ نصیر الدین محمود (چراغ دہلی) کو یاد فرمایا گیا۔ ان کو بھی خرقة خلافت اور اجازت نامہ عطا ہوا۔ اور وصیت فرمائی گئی۔ شیخ نصیر الدین محمود ابھی کھڑے ہوتے تھے کہ شیخ قطب الدین منور کی دوبارہ طلبی ہوئی۔ وہ آتے تو ارشاد ہوا کہ شیخ نصیر الدین محمود کو خلافت کی مبارکباد دو۔ پھر شیخ

۱۲۔ حضرت خواجہ کی وفات ۱۸ ربیع الآخر ۷۲۵ھ کو ہوئی۔ ۱۲

نصیر الدین محمود سے ارشاد ہوا کہ شیخ منور کو مبارک باد دو۔ دونوں نے ایک دوسرے کو مبارکباد دی۔ پھر دونوں کو ایک دوسرے سے بغلیں ہونے کا حکم ہوا۔ پھر فرمایا کہ تم دونوں بھائی بھائی ہو۔ تقدیم و تاخیر کا کچھ خیال نہ کرنا۔

وفات سے ۴۰ روز پیشتر استغراق و تحیر کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ امیر خور نے تفصیل

وفات کا حال

سے وفات کا حال لکھا ہے۔ ان کا بیان ہے۔

جمعہ کا دن تھا سلطان المشائخ پر ایک کیفیت تھی۔ نور تجلی سے ان کا باطن منور ہو رہا تھا۔ نماز کے اندر بار بار سجدے فرماتے تھے۔ اسی حالتِ تحیر میں مکان تشریف لائے۔ گریہ میں ترقی ہو گئی۔ روزانہ کمی کمی بار غیبوت و استغراق ہو جاتا تھا۔ پھر نوبہ ہو جاتی تھی۔ یہی فرماتے تھے کہ آج جمعہ کا دن ہے۔ دوست کو دوست کا وعدہ یاد آجاتا ہے اور وہ اس کیفیت میں غرق ہو جاتا ہے۔ اس حالت میں دریافت فرماتے کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے اور میں نماز پڑھ چکا ہوں؛ اگر جواب دیا جاتا کہ آپ نماز پڑھ چکے ہیں تو فرماتے کہ پھر پڑھ لیں۔ ہر نماز کو مکرر ادا کرتے۔ جتنے دن اس عالم میں رہے یہ دو باتیں مکرر فرماتے؛ آج جمعہ کا دن ہے۔ ہم نماز پڑھ چکے ہیں؛ اور کبھی یہ مصرع بڑھتے۔

۱۲ سیر الاولیاء ص ۲۲۱ و ص ۲۲۲ و ص ۲۲۸ و ص ۲۲۹



”می رویم می رویم می رویم“

اسی دوران میں ایک روز تمام خدام و مریدین کو جو حاضر تھے طلب فرمایا اور ان کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ تم گواہ رہنا کہ اگر اقبال (خادم) نے کوئی چیز بھی گھر میں جنس میں سے بچالی ہے تو کل روز قیامت اس کو خدا کے سامنے جواب دینا ہوگا۔ اقبال خادم نے عرض کیا کہ میں نے کچھ نہیں چھوڑا ہے۔ سب آپ پر صدقہ کر دیا ہے۔ اور واقعی اس خادم نے ایسا ہی کیا تھا سوائے اس غلہ کے جو چند دن کے لئے فقراے خانقاہ کو کفایت کرتا سب کچھ تقسیم کر دیا تھا۔ میرے چچا سید حسین نے اطلاع دی کہ غلہ کے سوا ہر چیز محتاجوں کو پہنچ گئی۔ سلطان المشائخ اقبال سے ملاض ہوئے ان کو طلب کیا اور فرمایا کہ اس مردار ریت کو کیوں رکھ چھوڑا ہے؟ اقبال نے عرض کیا کہ غلہ کے سوا کچھ موجود تھا سب کچھ تقسیم ہو گیا ہے آپ نے فرمایا کہ خلقت کو بلاؤ۔ جب لوگ حاضر ہوتے تو فرمایا کہ غلہ کے انبار خانے توڑ ڈالو اور تمام غلہ بے تکلف اٹھالے جاؤ اور وہاں جھاڑو دے دو۔ ذرا سی دیر میں خلقت جمع ہو گئی اور اس نے غلہ کو لوٹ لیا۔ اسی بیماری میں کچھ اجباب اور خدمتگار حاضر ہوتے اور انہوں نے پوچھا کہ

اں مندوم کے بعد ہم مسکینوں کا کیا حال ہوگا؟ فرمایا کہ یہاں اتنا لٹنا رہے گا جس سے تمہارا گزر ہو جائے۔ میں نے بعض معتبر مشائخ سے سنا ہے کہ لوگوں نے عرض کیا کہ ہمارے درمیان کون

نصیب ور ہوگا؟ فرمایا جس کی قسمت یاوری کرے گی۔ بعض دوستوں اور خادموں نے میرے نانا مولانا شمس الدین وامغانی سے عرض کیا کہ وہ سلطان المشائخ سے پوچھیں کہ ہر شخص نے اپنے اپنے اعتقاد کے مطابق آپ کے احاطہ میں بلند بلند عمارتیں بنالی ہیں اور سب کی نیت یہ ہے کہ آپ اس کی عمارت میں آرام فرمائیں۔ اگر وہ ناگزیر وقت آگیا تو آپ کو کس عمارت میں دفن کریں تاکہ کوئی خود راتی سے کام نہ کرے۔ مولانا شمس الدین نے یہ پیغام پہنچایا تو ارشاد ہوا کہ میں کسی عمارت کے نیچے دفن ہونا نہیں چاہتا۔ میں جنگل میں آسودہ خاک ہوں گا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آپ کو باہر میدان میں دفن کیا گیا۔ بعد میں سلطان محمد تغلق نے اس پر گنبد تعمیر کرایا۔

وفات سے ۴۰ روز پہلے سے غذا بالکل ترک فرمادی تھی کھانے کی خوشبو بھی گوارا نہ تھی۔ مگر یہ اس شدت سے غالب تھا کہ ایک گھڑی کیلئے بھی آنسو نہیں تھمتے تھے۔

گر نہ بینی گریہ زارم ندانی فرق کرد
کاب چشم است این کہ پیشیت می رود با آب جو
اسی در میان میں اخی مبارک ایک روز مچھلی کا شور بہ لاتے مخلصین

۱۔ غالباً جانشینی و خلافت کے متعلق سوال تھا۔ ۱۲

۲۔ یعنی مدفون ہوں۔ ۱۲



نے بڑی کوشش کی کہ آپ تھوڑا سا تناول فرمائیں۔ سلطان المشائخ نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ عرض کیا گیا کہ تھوڑا سا مچھلی کا شوربہ ہے۔ فرمایا۔ بہتے ہوتے پانی میں ڈال دو۔ آپ نے کچھ تناول نہیں فرمایا۔ میرے چچا سید حسین نے عرض کیا کہ کئی دن ہو گئے ہیں کہ اُن مخدوم نے کھانا بالکل چھوڑ دیا ہے اس کا کیا نتیجہ ہوگا؟ فرمایا۔ سید جو حضرت درمالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کا مشتاق ہو اس سے دنیا میں کھانا کیسے کھایا جاتے! الغرض ۴۰ روز کی مدت میں جس طرح کھانا تناول نہیں فرمایا اسی طرح بات بھی بہت کم کی۔ آخر چہار شنبہ کے دن تک جس دن آپ کی وفات ہوئی یہی حال رہا۔

۱۸ ربیع الآخر ۷۲۵ھ کو طلوع آفتاب کے بعد زہد و عبادت حقیقت و معرفت اور ہدایت و ارشاد کا یہ آفتاب غروب ہو گیا۔

نماز جنازہ شیخ الاسلام رکن الدین نبیرہ شیخ الاسلام بہار الدین زکریا ملتانی نے پڑھائی نماز کے بعد شیخ الاسلام رکن الدین نے فرمایا کہ۔

مجھے اب معلوم ہوا کہ مجھے ۴۰ سال تک دہلی میں اس لئے رکھا گیا کہ مجھے اس نماز جنازہ کی امامت کا شرف حاصل ہو۔
ساری عمر تجرد میں گزری اس لئے کوئی اولاد نہیں تھی۔ روحانی سلسلہ سارے ہندوستان میں پھیلا اور ابھی تک جاری ہے۔

سیر الاولیاء (ص ۱۵۲ تا ۱۵۵)۔

باب دوم

اخلاق و صفات

جامع اوصاف حضرت خواجہ نظام الدینؒ کے اوصاف کا خلاصہ اور ان کا صحیح ترین و جامع ترین تعارف ان الفاظ میں ہے جو عطا تے خلافت کے وقت ان کے صاحبِ نظر شیخ و مرشد شیخ بکیر حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ کی زبان سے نکلے۔ انھوں نے فرمایا۔

بادی تعالیٰ ترا علم و عقل و عشق اللہ تعالیٰ نے تم کو علم و عقل و
 دادہ است و ہر کہ بدیں عشق کی دولت عطا کی ہے اور جو
 صفت بوصوف باشد انہ ان صفات کا جامع ہو وہ مشائخ
 خلافت مشائخ نیکو آید کی خلافت کی ذمہ داریاں خوب
 ادا کر سکتا ہے۔

لہ میر الاولیاء (۳۷۵)

حضرت خواجہ کی سیرت اسی جامعیت کا مرقع ہے۔ یہاں علم و عقل و عشق تینوں پہلو بہ پہلو نظر آتے ہیں۔ محبت و معرفت حقیقی اور مشائخ کبار کی تربیت و صحبت جو بہترین اثرات و نتائج پیدا کرتی ہے اور جن کے بہترین مجموعہ کا نام دورِ آخر میں "نصوف" پڑ گیا ہے۔ یعنی اخلاص و اخلاق اس کی بہترین نمود ان کی زندگی میں نظر آتی ہے۔

اخلاص ان کی زندگی کا بہترین جوہر جس نے ان کو اپنے معاصرین ہی میں نہیں بلکہ مشائخ اسلام میں ایک بلند مقام اور اپنے زمانہ ہی میں نہیں بلکہ تاریخ اسلام کے مختلف ادوار میں قبولِ عام اور بقائے دوام عطا کیا اور ان کو محبوبیت کے خاص انعام سے نوازا۔ وہ توحید و اخلاص کی وہ خاص کیفیت اور ذوق ہے جس میں محبت اور صفا الہی کے سوا کوئی چیز مطلوب و مقصود نہیں رہی۔ محبت و یقین کے شعلہ نے ہر طرح کے خس و خاشاک کو جلا کر رکھ دیا تھا۔ حبِ دنیا، حبِ جاہ اور اس طرح کی تمام محبتوں اور طلبوں کا استیصال کلتی ہو چکا تھا۔

شادباش اے عشقِ خوش سودائے ما اے طبیبِ جملہ علتِ اے ما
 اے دولے نخوت و ناموس ما اے تو افلاطون و جالینوس ا
 عشقِ آن شعلہ است کو چوں بر فرو ہر چند جز معشوق باقی جملہ نخوت
 ماند الا اللہ باقی جملہ رفت شادباش اے عشقِ شرکتِ سوزت
 (مولانا روم)

امیر حسن علا سنجریؒ راوی ہیں کہ ایک مرتبہ مجلس میں یہ ذکر ہو رہا تھا کہ کچھ لوگ مسجد میں قیام کرتے ہیں۔ اور وہاں قرآن مجید کی تلاوت اور نوافل پڑھتے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ اگر اپنے گھر ہی رات کو قیام کریں تو کیسا ہے؟ فرمایا کہ آدمی اپنے گھر میں ایک پارہ پڑھے وہ مسجد میں ایک قرآن ختم کرنے سے بہتر ہے۔ اس پر یہ ذکر آگیا کہ گذشتہ زمانہ میں ایک صاحب جامع مسجد دمشق میں رات بھر عبادت میں مشغول رہتے تھے۔ اس لالچ میں کہ اس کی عام شہرت ہوگی۔ اور شیخ الاسلامی کے عہدے پر (جو اس زمانہ میں خالی تھا) ان کا تقرر ہو جائے گا۔ یہ سنکر حضرت خواجہ کی آنکھوں میں آنسو بھراتے اور آپ نے فرمایا۔

بسوز اول شیخ الاسلامی راد آگ لگاؤ ایسی شیخ الاسلامی
پس خانقاہ را ولید ازاں کو پھر خانقاہ کو پھر اپنے کو
خود را خاک کر کے رکھ دو۔

حضرت خواجہ کی ساری زندگی اسی ”دل خوشگی“ اور ”خود باخستگی“ کا نمونہ ہے۔ اور اسی چیز نے ان کی صحبت میں کیمیا اور اکسیر کی خاصیت پیدا کر دی تھی۔ انھیں کے سلسلہ کے ایک سوختہ دل شیخ نے (جو لوہی صدی میں نظامی سلسلہ کے مقتدی تھے) یہ دلو شعر منقول ہیں جو اس صورت حال

۱۰ فوائد الفواد (ص ۲۷)

۱۱ حضرت شاہ محمد مینا (محمد بن قطب) لکھنوی (م ۱۷۷۷ھ)

اور جذبہ کی صحیح ترجمانی کرتے ہیں۔
 مارانہ مرید و در خواں می باید نے زاہد نے حافظ قرآن می باید
 صاحب دروے سوختہ جال می باید آتش زدہ بہ خانماں می باید
 اپنے ہی بارے میں نہیں، اپنے خلفاء اور جانشینوں کے بارے میں
 بھی (جن سے تہذیب، اخلاق اور تزکیہ نفس کا کام لینا تھا)، اس کا
 لحاظ فرماتے تھے کہ وہ اخلاص کے اس مقام پر پہنچ گئے ہیں کہ جب
 جاہ کا ان کے دل سے خاتمہ ہو چکا ہے۔ مولانا فصیح الدین نے سوال کیا
 کہ مشائخ کی خلافت کا اہل کون ہوتا ہے؟ فرمایا۔

کسے را کہ در خاطر او توقع خلافت وہ شخص جو خلافت کا متوقع
 نباشد۔ اور منتظر بھی نہ ہو۔

صاحب سیر الاولیاء کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ آپ کو اپنے ایک
 ممتاز خادم کے متعلق جن کو اجازت دی جا چکی تھی معلوم ہوا کہ وہ
 کئی کبیل تہہ کر کے بچھا کر کے اس پر مشائخ کی طرح بیٹھتے ہیں اور امراء
 و عوام و خواص ان کی خدمت میں معتقدانہ حاضر ہوتے ہیں۔ آپ
 اس سے اتنے آزر دہ ہوتے کہ جب وہ آتے تو آپ نے ان سے منہ
 پھیر لیا اور ان کو اجازت سے محروم کر دیا۔ عرصہ تک ان سے ایسی ہی
 بے رخی رہی۔ جب تک کہ ان کا عذر ظاہر نہیں ہوا اور انہوں نے

سیر الاولیاء (ص ۲۴۵)

معافی نہیں مانگی، ان پر نظر عنایت مبذول نہیں ہوتی۔

دشمن نوازی اخلاص و فنائیت اور بے نفسی کے اس مقام پر پہنچ کر سالک کے دل سے رنج و شکایت انتقام کا جذبہ اور ایذا کی صلاحیت ہی ختم ہو جاتی ہے۔ وہ نہ صرف آشنا پرورد دوست نواز ہوتا ہے بلکہ دشمن کا احسان مند اور دشمن کے حق میں دعا گو بن جاتا ہے۔ گویا دشمنی کوئی احسان ہے۔ کوئی نادر تحفہ اور زخم دل کا مرہم ہے جس پر بے اختیار دل سے دعا نکلتی ہے اور منہ سے پھول جھڑتے ہیں۔ امیر علاء سنجرمی راوی ہیں کہ حضرت نے ایک مرتبہ یہ مصرع پڑھا۔

ہر کہ مارا رنج دادہ را عشق بسیار باد

(جو ہم کو رنج دے خدا اس کو بہت راحت پہنچاتے)

اس کے بعد یہ شعر ارشاد ہوا۔

ہر کہ او غارے نہد در راہ ما از دشمنی

ہر گلے کز باغ عمرش بشگند بخار باد

سیر العارفین میں ہے کہ خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی فرماتے تھے کہ

سیر الاولیاء میں اس واقعہ کی تفصیل ہے۔ ۱۲

۱۲ فوائد الفواد ص ۸۴ (ترجمہ) جو ہمارے راستہ میں گلے بچھائے اللہ

کرے اس کے گلشن حیات میں جو پھول کھلے بے خار رہے۔ ۱۲



حصار اندر پت میں (جو موضع غیاث پور کے قریب ہے) چھٹو نامی ایک شخص تھا جس کو بے وجہ حضرت سے دشمنی تھی۔ بُرا بھلا بھی کہتا رہتا تھا۔ اور آپ کو تکلیف و ایذا پہنچانے کی فکر میں رہتا تھا۔ اس کا انتقال ہو گیا۔ حضرت شیخ نے اس کے جنازے میں شرکت کی، دفن کے بعد اس کے بالیں پر دو رکعت نماز پڑھی اور دعا فرمائی کہ خدایا! اس شخص نے جو کچھ کہا ہو یا بُرا سوچا ہو میں نے اس کو بخش دیا۔ تو میری وجہ سے اس کو سزا نہ دینا۔

ایک مرتبہ حاضرین میں سے ایک صاحب نے ذکر کیا کہ بعض آدمی جناب والا کو منبر پر اور دوسرے موقعوں پر بُرا بھلا کہتے ہیں ہم سے سنا نہیں جاتا حضرت خواجہ نے فرمایا کہ میں نے سب کو معاف کیا تم بھی معاف کرو۔ اور ایسے آدمی سے جھگڑانہ کرو۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ اگر دو آدمیوں کے درمیان رنجش ہو تو اس رنجش کو دود کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی اپنے باطن کو عداوت سے خالی کر لے۔ دوسرے کی طرف سے بھی آزار کم ہو جائے گا۔ فرمایا کہ آخر لوگ بُرا بھلا کہنے سے رنجیدہ کیوں ہوتے ہیں مشہور یہ ہے کہ مالِ صوفی سبیل است و خون او مباح۔ صوفی کا مال وقف ہے اور اس کا خون روا، جب معاملہ یہ ہے تو کسی بُرا بھلا کہنے والے سے کیوں

نہ سیر العارفین (قلمی)

جھگڑا کیا جائے؟

ایک دن فرمایا کہ دنیا کا عام اصول تو یہ ہے کہ نیکیوں کے ساتھ نیکی اور بدوں کے ساتھ بدی کی جائے۔ لیکن مردانِ خدا کا اصول یہ ہے کہ بدی کا بدلہ بھی نیکی سے دیا جائے۔ فرمایا۔

اگر کوئی کائنات رکھے اور تم بھی کائنات	یکے خار نہد و تو ہم خار نہی
رکھ دو تو کائنات ہی کائنات جمع	ابن خار خار باشد.....
ہو جاتیں گے۔ لوگوں کے درمیان	میان مردانِ ہم چنین است
عام اصول یہی ہے کہ سیدھوں	بالغزائے نغزی و باکوزان
کے ساتھ سیدھا اور ٹیڑھوں کے	کوزی، امامیان درویشان
ساتھ ٹیڑھا لیکن درویشوں کا	ہم چنین است کہ بالغزائے
اصول یہ ہے کہ سیدھوں کے	نغزی باکوزان ہم نغزی ہے
ساتھ سیدھا اور ٹیڑھوں کے ساتھ	

بھی سیدھا۔

حضرت خواجہ کا اس بارے میں معیار اتنا بلند تھا کہ بڑا کہنا تو بڑی چیز ہے وہ بڑا چاہنے کو بھی روا نہیں رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ فرمایا۔
بدگفتن اندک است اما بدخواستن بڑا کہنا بھی بڑا ہے۔ لیکن بڑا
ازاں بدتر است۔ چاہنا اس سے کہیں بڑا ہے۔

۱۔ فوائد الفوائد ص ۹۵۔ ۲۔ ایضاً ص ۵۵۷ سے سیر الاولیاء ص ۵۵۷

جب یہ معاملہ آپ کا سب کے ساتھ تھا۔ تو اپنے شیخ اور وئی نعمت کے عزیزوں اور تعلق والوں کے ساتھ کیوں نہ ہوتا جن کے احسان سے آپ کا رواں رواں تر تھا۔

سیر العارفین میں ہے کہ حضرت شیخ نجیب الدین متوکل کے نواسے خواجہ عطاء اللہ ایک لالہ ابالی و بیباک آدمی تھے۔ ایک دن قلم دوات اور کاغذ لیکر آئے اور کہا کہ میرے لئے فلاں سردار کو ایک سفارشی خط لکھ دیجئے۔ تاکہ وہ مجھے کوئی اچھی رقم دیدے۔ شیخ نے فرمایا کہ نہ میری اس سردار سے کبھی ملاقات ہوتی ہے نہ وہ کبھی یہاں آیا ہے جس شخص سے بالکل جان پہچان نہ ہو اس کو رقعہ کس طرح لکھا جائے؟ صاحبزادے کو غصہ آگیا اور انہوں نے سخت سست کہنا شروع کیا کہ ہمارے ہی نانا کے مرید ہو اور ہمارے ہی خاندان کا صدقہ پایا ہے۔ اب ایسے احسان فراموش ہو گئے ہو کہ میرے لئے ایک رقعہ بھی تم سے نہیں لکھا جاتا۔ یہ تم نے کیا پیری مریدی کا جال بچھایا ہے اور خلق خدا کو دھوکہ دے رہے ہو؟ یہ کہہ کر دوات زمین پر پٹک دی اور اٹھ کر چلے حضرت نے دامن پکڑ لیا اور فرمایا کہ ناراض ہو کہ کیوں جا رہے ہو۔ خوش ہو کر جاؤ۔ اس کے بعد ایک رقم سامنے رکھی اور رضا مند کر کے رخصت کیا۔

سیر العارفین (قلمی)

سیر الاولیاء میں ہے کہ اکثر معمول
تھا کہ جو لوگ باہر سے آتے

پہلے وہ پلوٹشی و نکتہ لوانسی

وہ کوئی شیرینی یا تحفہ خرید کر اپنے ساتھ لاتے اور پیش کرتے۔ ایک
مرتبہ کچھ لوگ اسی ارادہ سے آ رہے تھے۔ ایک مولوی صاحب بھی
ساتھ تھے۔ انہوں نے سوچا کہ لوگ مختلف مخالف پیش کریں گے
اور وہ اکٹھا حضرت کے سامنے رکھیں گے۔ خادم سب کو اکٹھا کر
لے جائے گا۔ کیا پتہ چلے گا کہ کون کیا لایا؟ انہوں نے تھوڑی
سی مٹی راستے اٹھا کر کاغذ میں باندھ لی۔ جب سلطان المشائخ کی خدمت
میں حاضر ہوئے۔ ہر ایک نے اپنی چیز سامنے رکھی۔ مولوی صاحب
نے بھی اپنی پٹریا سامنے رکھ دی، خادم وہ سب چیزیں اکٹھا کر لے
جانے لگا، پٹریا کو بھی اکٹھا ناچا ہا۔ حضرت نے فرمایا: اس کو یہیں
چھوڑ دو، یہ میری آنکھ کا سرمہ ہے۔ یہ اخلاق و عالی ظرفی دیکھ
کر ان عالم صاحب نے توبہ کی اور مرید ہوئے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت خواجہ کو عام انسانوں

شفقت و تعلق

اور خصوصیت کے ساتھ مسلمانوں اور

اپنے اہل تعلق کے ساتھ ایسی شفقت و محبت عطا فرمائی تھی جس کو
اگر ماں کی شفقت سے تشبیہ یا اس پر بھی تزیح دی جائے تو واقعتاً

کے لحاظ سے اس میں کوئی مبالغہ اور شاعری نہ ہوگی۔ شیوخ کا ملین کی یہ شفقت دراصل نبیؐ کی اس شفقت کی وراثت اور نیابت ہے جس کی حقیقت اس آیت میں بیان کی گئی ہے۔

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ
مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ
عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ
عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ
رَؤُفٌ رَّحِيمٌ۔

اے لوگو! تمہارے پاس ایسا پیغمبر
آیا جو تمہاری جنس سے ہے جس کو تمہاری
تکلیف و مصرت کی بات گراں
گذرتی ہے جو تمہاری منفعت
کا بڑا خواہش مند رہتا ہے
ایمانداروں کے ساتھ بڑا ہی
شفیق و مہربان ہے۔

(التوبہ ۱۲۸)

اور اس حکم کی تعمیل ہے جس کا خطاب رسولؐ سے ہے۔

وَأَنْفُسٌ جَنَّاكَ لِي
اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ۔
شعراء ۱۱

ان لوگوں کے ساتھ فروتنی کے
ساتھ پیش آؤ جو مسلمانوں میں
داخل ہو کر تمہاری راہ پر چلیں۔

اس شفقت اور تعلق نے وہ "اتحاد" پیدا کر دیا تھا کہ دوسروں کی
جسمانی اذیت سے اپنے کو جسمانی طور پر اذیت اور دوسروں کی
قلبی راحت سے اپنے کو قلبی راحت ملتی تھی۔ امیر حسن علاء سنجر
راوی ہیں کہ ایک مرتبہ مجلس ہو رہی تھی سایہ میں جگہ نہ ہونے کی وجہ
سے بعض لوگ دھوپ میں بیٹھے تھے۔ آپ نے سایہ میں بیٹھنے والوں

سے فرمایا۔ ”بھائی ذرا مل جل کر بیٹھو تاکہ ان بھائیوں کیلئے بھی جگہ ہو جائے۔ دھوپ میں یہ بیٹھے ہیں اور میں جلا جا رہا ہوں۔“
 ایک مرتبہ آپ نے کسی بزرگ کا مقولہ نقل کیا جو درحقیقت اپنے ہی حال کی ترجمانی تھی کہ ”خدا کی مخلوق میرے سامنے کھانا کھاتی ہے اور میں اس کھانے کو اپنے حلق میں پاتا ہوں۔ جیسے وہ کھانا میں ہی کھا رہا ہوں۔“

امیر حسن عطار سنجرمی فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ بے وقت حاضر ہوا۔ اور عرض کیا کہ میں اس طرف عزیزوں سے ملنے آیا ہوا تھا۔ حاضری کو جی چاہا۔ بعض دوستوں نے کہا کہ اگر کوئی شخص کسی اور کام سے آیا ہو اور شروع سے حاضری کی نیت نہ کی ہو تو شیخ کی خدمت میں نہیں حاضر ہونا چاہیے۔ میں نے دل میں کہا کہ اگرچہ قاعدہ یہی ہے لیکن دل نہیں مانتا کہ یہاں آکر حضرت کی زیارت کئے بغیر واپس چلا جاؤں۔ میں آج قاعدہ کے خلاف ہی کروں گا۔ حضرت نے فرمایا۔ ”اچھا کیا پھر یہ شعر پڑھا۔“

در کوئے خرابات و سرائے او باش
 منعے نبود بیا و بہ نشیں و بہ باش

۱۰ فوائد الفواد ص ۹۱

۱۱ سیر الاولیاء ص ۷۷

پھر فرمایا کہ مشائخ کا معمول یہی ہے کہ کوئی ان کے پاس اشراق سے پہلے اور عصر کی نماز کے بعد نہیں جاتا۔ لیکن میرے یہاں یہ قاعدہ نہیں جس وقت جس کا جی چاہے آئے۔

یہ اہل قلوبِ عجم دنیا سے فارغ البال لیکن دنیا

عجم خوار کی عام

والوں کے عجم اور خلقِ خدا کی فکر وں سے

بندھال اور خستہ حال رہتے ہیں۔ وہ اپنا عجم بھلا دیتے ہیں اور ساری دنیا کا عجم اپنا عجم بنا لیتے ہیں یہ کہنے کا حق درحقیقت انھیں کو ہے کہ سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

خواجہ نصیر الدین چراغِ دہلی کے نواسے خواجہ شرف الدین سے کسی مجلس میں کسی صوفی نے کہا کہ خواجہ نظام الدین عجب فارغ البال بزرگ ہیں۔ مجرد ہیں۔ اہل و عیال و اطفال کا کوئی تردد ان کو نہیں ہے۔ ان کو البیاض فرارِ خاطر حاصل ہے کہ ایک ذرہ عجم بھی ان کو چھو نہیں گیا ہے۔ وہ عزیزِ اس مجلس سے اٹھے تو حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ چاہتے تھے کہ خود اس کا ذکر کریں حضرت خواجہ نے خود ہی ارشاد فرمایا۔

میاں شرف الدین وہ رنج و عجم جو میرے دل کو وقتاً فوقتاً ہوتا رہتا ہے شاید ہی کسی دوسرے شخص کو اس سے زیادہ ہوتا

ہو۔ جو شخص میرے پاس آتا ہے اپنا حال مجھ سے بیان کرتا ہے۔ اس سے دوچند فکر و تردد اور غم و الم مجھے ہوتا ہے بڑا سنگدل ہے وہ جس پر اپنے دینی بھائی کا غم اثر نہ کرے اس کے علاوہ یہ جو کہا گیا ہے۔ **الْمُخْلِصُونَ عَلَىٰ خَطَرٍ عَظِيمٍ**۔ مخلصین کو بڑا خطرہ درپیش رہتا ہے۔ اس سے بھی سمجھ سکتے ہو کہ۔ ع

نزدیکال را بیش بود حیرانی
حضرت خواجہ کے نزدیک مسلمان کا دل خوش کرنا اور اس کی دلجوئی و راحت رسانی افضل ترین عمل اور تقرب الی اللہ کا بہترین ذریعہ تھا۔ سیرالاولیاء میں ہے کہ فرمایا۔

”مجھے خواب میں ایک کتاب دی گئی اس میں لکھا تھا کہ جہاں تک ہو سکے دلوں کو راحت پہنچاؤ کہ مومن کا دل اسرارِ ربوبیت کا مقام ہے۔“ کسی بزرگ نے خوب کہا ہے۔ ع

میں کوشش کہ راحت بجانے بہ رسد یادستِ شکستہ بنانے بہ رسد
دکوشش کرو کہ کسی انسانی جان کو تم سے آرام پہنچے یا جو دست
شکستہ ہے اس کو تمہارے ذریعے سے روٹی ملے

۱۰ سیر العارفین (قلمی)

ایک مرتبہ فرمایا کہ۔

”قیامت کے بازار میں کسی سودے کی اتنی قیمت اور چلن نہ ہوگا جتنا دل کا خیال رکھنے اور دل خوش کرنے کا۔“

چھوٹوں پر شفقت حضرت خواجہؒ اپنے قیمتی مشاغل اور اعلیٰ کیفیات باطنی کے ساتھ

بچوں اور چھوٹوں پر بڑے شفیق تھے۔ اور وہ اپنی شدید مصروفیت کے باوجود ان کی دلجوئی و ملاحظت کیلئے وقت نکال لیتے تھے۔ ان عظیم ذمہ داریوں اور باطنی مشغولیت کے باوجود ان بچوں کی پوری رعایت فرماتے اور چھوٹی چھوٹی باتوں کا دھیان رکھتے۔

خواجہ رفیع الدین ہارون آپ کے حقیقی بھانجے کے صاحبزادے تھے۔ اگر کبھی کھانے کے وقت وہ موجود نہ ہوتے تو اگرچہ بڑے بڑے بزرگ دسترخوان پر بیٹھے ہوتے۔ لیکن آپ ان صاحبزادے کا انتظار کرتے۔ آپ اپنے بچے کی طرح خلوت و جلوت میں ان کی تربیت و دلداری فرماتے۔

خواجہ رفیع الدین کو تیر و کمان اور پیرا کی وکشتی کا بڑا شوق تھا۔ حضرت سلطان المشائخ بڑی شفقت کے ساتھ ان سے انھیں فنون کی باتیں کرتے تھے۔ ان کی ہمت افزائی اور تشویق فرماتے۔ ان

۱۷ سیر الاولیاء ص ۱۲۸ ۱۷ ایضاً ص ۲۰۳

فنون کی باریکیوں اور نکتوں کی تعلیم دیتے تاکہ یہ خوش ہوں۔
 جو شریف النسب اور ذی استعداد نوجوان اپنے زمانہ کے شوقین
 لوگوں کے جیسا لباس پہنتے اور ان میں نوجوانی کے تقاضے سے لباس
 میں تخیل پیدا ہوتا۔ (جس کو بعض سخت گیر ثقاہت و متانت کے
 خلاف سمجھ کر اعراض کرتے ہیں) حضرت خواجہ ان کی بھی دلجوئی فرماتے
 اور اس کو جوانی اور زمانہ کا تقاضا سمجھ کر نظر انداز فرماتے۔ اور اپنے اخلاق
 و محبت سے ان کی اصلاح اور تربیت کی کوشش فرماتے۔

سیر الاولیاء کے مصنف امیر خور د لکھتے ہیں کہ میرے چچا سید حسین
 کرمانی کی نوجوانی کا زمانہ تھا۔ وہ اس زمانہ کے شوقین نوجوانوں کے
 لباس اور وضع میں ایک روز تشریف لائے۔ حضرت خواجہ نے
 ان کو دیکھ کر فرمایا۔

سیدیا و بہ نشیں و سعادت بئر سیدیا و بیٹھوا اور سعادت میں حصہ لو
 اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس شفقت و ملاحظت اور اس دلجوئی و دلنوازی
 سے کتنے نوجوانوں کی اصلاح و تربیت ہوئی ہوگی۔ اور کتنے "آہوئے
 وحشی" امیر و ام محبت ہوئے ہوں گے۔ اور ان کا شمار خدا کے
 مقبول بندوں اور شیوخ کاملین میں ہوا ہوگا۔

۱۰ سیر الاولیاء ص ۲۰۳

۱۱ سیر الاولیاء ص ۲۰۳

حضرت خواجہؒ کے ان اخلاق و صفات اور صوفیہ صافیہ کی سیرت کو دیکھ کر امام غزالیؒ کی اس رائے اور شہادت کی تصدیق ہوتی ہے جس کا انھوں نے "تلاش حق" کے طویل سفر اور مختلف گروہوں اور انسانی طبقات کے عمیق مطالعہ کے بعد اظہار کیا ہے۔

"مجھے یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ صوفیہ ہی اللہ کے راستہ کے سالک ہیں۔ ان کی سیرت بہترین سیرت، ان کا طریق سب سے زیادہ مستقیم اور ان کے اخلاق سب سے زیادہ تربیت یافتہ اور صحیح ہیں۔ اگر عقلا، عقل، حکماء کی حکمت اور شریعت کے رمز شناسوں کا علم مل کر بھی ان کی سیرت و اخلاق سے بہتر لانا چاہے تو ممکن نہیں، ان کے تمام ظاہری و باطنی حرکات و سکنات مشکوٰۃ نبوت سے ماخوذ ہیں۔ اور نور نبوت سے بڑھ کر روتے زمین پر کوئی نور نہیں جس سے روشنی حاصل کیجاتے ہے۔"

لہ المنقذ من الضلال

باب سوم

اذواق و کیفیات

حضرت خواجہ کی سیرت اور زندگی کا مرکزی

محبت و ذوق

نقطہ جو ان کے تمام اخلاق و احوال و

اعمال کا محور ہے وہ عشق الہی کی نعمتِ خدا داد ہے۔ جو ان میں ابتدائے

حال سے نمایاں تھی۔ محبت کی یہ چیز گامی جواز ل سے ان کی فطرت میں

و دلیت تھی شیخ بکیر کی صحبت اور طریقہ چشتیہ کی نسبت سے شعلہ

جان سوز بن گئی اور اس نے مدت العمر ان کو، اور نصف صدی سے

زائد دہلی اور اس کے ماحول کو گرم اور منور رکھا اور اس کی وجہ

سے صدیوں تک ہندوستان کی فضا عشق الہی کی حرارت سے گرم

اور گدا ز رہی۔ ان کے تمام حالات و اشغال گفتگو اور مجالس، اشعار

اور ان کے انتخاب، واقعات اور ان کی تمثیل، عرض ہر چیز سے

اسی سوزِ باطن اور اسی حرارتِ عشق کا اظہار ہوتا ہے۔

شعلہا آخرد ہر مومک دمید از رگ اندیشہ ام آتش چکید



فوائد الفواد میں ہے کہ ایک روز اولیاء اللہ کے دم واپس کے واقعات بیان ہو رہے تھے۔ حاضرین میں سے ایک نے ایک بزرگ کی حکایت بیان کی کہ ان کا انتقال ہو رہا تھا اور آہستہ آہستہ اللہ کا نام ان کی زبان پر جاری تھا۔ حضرت خواجہؒ آبدیدہ ہو گئے اور یہ رباعی پڑھی۔

آیم بسر کوئے تو بویاں پویاں | رخسارہ بآب دیدہ شویاں شویاں
بیچارہ ز وصل تو جویاں جویاں | جاں می دم و نام تو گویاں گویاں
(ترجمہ) آپ کی گلی میں چلا آ رہا ہوں خراماں خراماں، آنسوؤں سے اپنے رخسار کو دھوتا ہوں، آپ کے وصل کا جو یا اور طالب بن کر، جان بھی دے رہا ہوں، آپ کا نام بھی لئے جا رہا ہوں،

اس محبت کا نتیجہ یہ تھا کہ دل میں محبوب کے سوا کسی کے خیال کی جگہ نہیں رہی تھی۔ کسی دوسری طرف توجہ بھی دل پر نہ رہی تھی۔

ہر چیز معشوق باقی جملہ سوخت

امیر حسن علامہ بنوری راوی ہیں کہ ایک مرتبہ فرمایا کہ اگر کبھی اتفاق سے میں ان کتابوں کا مطالعہ کرنے لگتا ہوں جو میں نے پڑھی ہیں تو طبیعت میں وحشت پیدا ہونے لگتی ہے اور اپنے دل میں کہتا

مدہ فوائد الفواد ص ۷

ہوں کہ کہاں پڑ گیا؟ اس پر حضرت خواجہ ابوسعید ابوالخیر کا واقعہ بیان کیا کہ وہ کمالِ حال پر پہنچ گئے تو وہ کتابیں جو وہ پڑھ چکے تھے اور ان کو کونے میں رکھ دیا تھا ان کو سامنے رکھ کر ایک روز مطالعہ کرنے لگے۔ غیبی آواز آئی، اے ابوسعید ہمارا عہد نامہ واپس کر دے کہ اب تو دوسری چیز میں مشغول ہو گیا۔ خواجہ جب اس مقام پر پہنچے تو رو پڑے۔ اور یہ شعر پڑھا۔

تو سایے دشمنی کجا در گنجی

جانے کہ خیال دوست رحمت باشد

(ترجمہ) کسی دشمن کا سایہ بھی کہاں سما سکتا ہے جہاں دوست

کا خیال بھی حجاب بنے۔

اسی "سرورِ عشق" کا نتیجہ یہ تھا کہ شب کی خلوت اور رات کے راز و نیاز کے بعد جب دن میں تشریف لاتے تو بقول امیر خوردمعلوم ہوتا کہ شراب چھلک رہی ہے۔ رات کی بیداری سے آنکھیں سُرخ ہوتی امیر خسرو نے یہی دیکھ کر کہا ہے۔

تو شبانہ می نہانی بہ برے کہ بودی امشب

کہ ہنوز چشم مستت اثرِ خارِ دارو

اور اسی حرارتِ عشق اور سرورِ مستی کا نتیجہ تھا کہ پیرانہ سالی میں برابر



روزہ رکھتے۔ تقلیلِ غذا، طویلِ شبِ بیداری اور سختِ مجاہدات کے باوجود
ضعف و ناطقتی ظاہر نہ ہوتی تھی۔ اسی سال سے عمر مبارک متجاوز ہو نیکی
باوجود چہرے پر وہی سُرخی، اور نشاط و انبساط کی وہی کیفیت پائی جاتی تھی جو جوانی
میں رہی ہوگی بلکہ اس میں روز افزوں اضافہ تھا۔ (سیر الاولیاء)

سَمَاعُ محبت کی یہی حرارت اور تپش تھی جس کی تسکین کا ایک
ذریعہ سماع تھا۔ یعنی عشقِ الہی کے اشعار اور عارفانہ

۱۔ مسئلہ سماع (بلا مزامیر) کی مخالفت موافقت میں بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ اس میں
نقطہ اعتدال معلوم ہوتا ہے کہ نہ وہ مطلقاً حرام ہے نہ کوئی عبادت و طاعت
و امر مقصود، اعتدال اور خاص شرائط کیا تھا ایک تدبیر و علاج ہے اور اصحاب
ضرورت و اہلیت کیلئے بقدر ضرورت مباح اور بعض اوقات مفید اس سلسلہ
میں مشہور چشتی شیخ قاضی حمید الدین ناگوری کا قول بڑا جامع و معتدل معلوم ہوتا
ہے۔ ایک مجلس میں سماع کی حلت و حرمت پر بحث تھی۔ قاضی صاحب نے فرمایا کہ

”میں ہوں حمید الدین کہ سماع سننا ہوں اور مباح کہتا ہوں علماء کی
روایت کی بنا پر اس لئے کہ دردِ دل کا مریض ہوں اور سماع اس
کی دوا ہے۔ امام ابو حنیفہ نے شراب سے علاج کرنے کی ایسے وقت
میں اجازت دے دی ہے جبکہ ازالہ مرض کیلئے اور کوئی دوا ہی نہ ہو۔
اور حکیموں کا بھی اس پر اتفاق ہو کہ صحت شراب کے بغیر ناممکن ہے۔
اس تقدیر پر کہ میرے مرض کی دوا جو کہ لا علاج ہے سرود کا سننا ہے
لہذا اس کا سننا ہمارے لئے مباح اور تمہیں حرام ہے۔“ (سیر الاقطاب قلمی)

ابیات کا سننا جس سے قلب کو اپنی آپنچیں نکلنے اور آنسوؤں کے
چھینٹوں سے اس کی گرمی کو کم کرنے کا موقع ملے اور اسی کے ساتھ
مجاہدات سے تھکا ہوا جسم اور طبیعت، اور نفی کی چوٹ کھایا ہوا دماغ
غذا اور تازگی حاصل کر سکے۔ مولانا رومؒ جو ایک بڑے صاحبِ سماع
تھے۔ اسی لئے فرماتے ہیں۔

پس غذائے عاشقان آمد سماع	کہ از و باشد خیال اجتماع
قوتے گیر و خیالات ضمیر	بلکہ صورت گرد داز بانگ صغیر
آتش عشق از نو ابا گرد تیز	آں چنانکہ آتش آں جو زبیر

خود حضرت خواجہ نے اپنی زبان سے سماع کی یہی حکمت بیان کی ہے۔

سماع حق مریدان و معتقدان	سماع مریدین صادقین اور
واصحاب ریاضت است	اہل عقیدت اور اصحاب ریاضت
چوں نفس و تن ہلاک شود	کا کام ہے۔ جب طبیعت اور
اورا حق ایست۔۔۔۔۔	جسم پوری چوٹ کھا جائے
إِنَّ لِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا	تو ان کا حق ہے کہ سماع سے
	قوت و تازگی حاصل کریں، حدیث
	میں آتا ہے کہ إِنَّ لِنَفْسِكَ

بدرستی کہ برائے نفس برابر عَلَيْكَ حَقًّا تمہارے اوپر
تو حق است چوں نہ بانے تمہارے جسم کا حق ہے۔ جب
از سماع بیا ساید باز اورا ایک مدت تک نفس سماع کے

برکار سے بہ بر بند۔
 ذریعہ آرام حاصل کر لیتا ہے
 تو پھر اس کو کام میں لگاتے

ہیں۔

ایک بزرگ مولانا کا ثانی فرماتے ہیں۔

اصحاب ریاضت و ارباب مجاہدہ	اصحاب ریاضت و ارباب
مجاہدہ از کثرت معاملات	مجاہدہ از کثرت معاملات
گاہ گاہ اتفاق افتد ککلاتے	گاہ گاہ اتفاق افتد ککلاتے
و ملالت در قلوب و نفوس	و ملالت در قلوب و نفوس
حادث شود و قبض و بسطے	حادث شود و قبض و بسطے
کہ موجب فتور اعمال و قصور	کہ موجب فتور اعمال و قصور
احوال بود طلب کی گردد پس	احوال بود طلب کی گردد پس
مشائخ متاخر از برائے رفع این	مشائخ متاخر از برائے رفع این
عارضہ و دفع این حادثہ ترکیبے	عارضہ و دفع این حادثہ ترکیبے
روحانی از سماع اصوات طیبہ	روحانی از سماع اصوات طیبہ
والحان متناسبہ و اشعارہ	والحان متناسبہ و اشعارہ
نہیجہ و مشوقہ بر وجہ کہ	نہیجہ و مشوقہ بر وجہ کہ
مشرع بود	مشرع بود
اصحاب ریاضت و ارباب مجاہدہ	
کے قلوب و نفوس احوال و کیفیات	
کے کثرت سے پیش آنے کی	
وجہ سے کبھی کبھی اکتا جاتے	
ہیں اور ان کو کان و ضعف	
محسوس ہونے لگتا ہے اور ان	
پر وہ قبض و بسط جو اعمال و	
احوال میں سستی اور کوتاہی کا	
باعث ہوتا ہے طاری ہو جاتے	
ہیں۔ اس بنا پر مشائخ متاخرین	
نے اچھی آوازوں متناسب نغموں	
اور شوق انگیز اشعار کے سننے	
کو اس طرح ہے کہ حد و شرع	

سیر الاولیاء ص ۱۹۸

نمودہ اند:

سے باہر نہ ہوں ایک علاجِ روحانی
کے طور پر تجویز کیا ہے۔

سماع کی اس حکمت کے علاوہ اس کی ایک دوسری حکمت ان
حضرات کے نزدیک یہ تھی کہ اس سے حضور کی ایک کیفیتِ درد کی
لذت اور ذوق و شوق پیدا ہوتا ہے۔ اور یہ لمحات بقیہ اوقات
کو بھی اپنے دامن میں لیکر پاک اور نورانی بنا دیتے ہیں۔ ارشاد ہوا کہ۔

مردم را ہمہ روز حضور کجا	فرمایا آدمی کو ہر روز حضور کی
میسر شود اگر در روزے	کہاں میسر آتی ہے اگر کسی دن کوئی
وقتے خوش دریافت ہمہ	وقت اچھا ہاتھ آجائے تو اس دن
اوقات متفرقہ آں روز در	کے تمام متفرق اوقات اس وقت
پناہ آں وقت باشد	کی پناہ میں ہوتے ہیں۔ دیکھو اگر
و اگر در جمعے صاحب	کسی جمع میں ایک صاحب
ذوقے و صاحب نعمتے	ذوق اور صاحب نعمت
باشد، جملہ اشخاص در پناہ	ہوئے ہے تمام حاضرین اس کی
آں شخص باشد۔	پناہ میں ہوتے ہیں۔

پس یہ سماع، حضرت خواجہ اور ان مشائخ کی دجو اسی کیفیت کے حامل

۱۔ مصباح الہدایت ص ۱۸۲ و ۱۸۳

۲۔ سیر الاولیاء ص ۵۲۳

اور آتشِ محبت سے جل رہے ہوں، طبعی کیفیت کا نتیجہ، تشکین کا سامان قوت و غذا اور رقت و حضور کی کا ذریعہ تھا۔ جس کو وہ حضرات علاجاً اور ضرورتاً اختیار کرتے تھے اور علاج و ضرورت کے بقدر ہی اس سے کام لیتے تھے نہ وہ کوئی عبادت، تقرب الی اللہ کا ذریعہ تھا، نہ مستقل سلوک اور شب و روز کا مشغلہ تھا۔

اسی کے ساتھ حضرت خواجہؒ نے سماع کو ان تمام خلافِ شرع منکرات و بدعات اور اسبابِ لہو و لعب سے جو غیر مسلموں کے اثر سے خاص طور پر ہندوستان میں اہل ہوا نے خام کارِ صوفیوں نے سماع میں شامل کر لئے تھے خود بھی دور رکھا اور اپنے متبعین کو ان سے اجتناب کی انتہائی تاکید فرمائی ہے۔ آپ نے سماع کے آداب اس طرح بیان فرمائے۔

آپ نے فرمایا۔

”سماع کی چار قسمیں ہیں۔ حلال، حرام، مکروہ، مباح۔ اگر صاحبِ وجد کا میلان محبوبِ حقیقی کی طرف زیادہ ہے تو سماع مباح ہے۔ اور اگر محبوبِ مجازی کی طرف زیادہ ہے تو مکروہ ہے اگر محبوبِ مجازی کی طرف میلانِ کلی ہے تو حرام ہے۔ اگر محبوبِ حقیقی کی طرف میلانِ کلی ہے تو حلال ہے۔ پس جس کو سماع کا ذوق ہے اس کو چاہیے کہ وہ ان چاروں درجوں کو جانتا ہو۔“

نیز ارشاد فرمایا کہ ۔

’ سماع مباح کیلئے چند چیزیں چاہئیں ۔ سماع (سنائیوالا) مستمع (سننے والا) مسموع جو کچھ پڑھا جا رہا ہو، آلہ سماع (ذریعہ) مستمع کیلئے شرط یہ ہے کہ وہ پوری عمر کا آدمی ہو، کم سن نہ ہو، عورت نہ ہو، مستمع کیلئے ضروری ہے کہ جو کچھ وہ سن رہا ہے وہ باحق سے خالی نہ ہو، مسموع کیلئے شرط ہے کہ وہ بے حیائی اور منسی مذاق کا کلام نہ ہو، آلہ سماع سے مراد مزامیر ہے ۔ جیسے چنگ و رباب کہ یہ درمیان میں شامل نہ ہوں۔

حضرت خواجہ مزامیر

مزامیر سے نفرت و ممانعت

دآلات غنا اور رباب

وغیرہ، سے سختی سے منع فرماتے تھے اور جب کبھی اس بارے میں کسی بے احتیاطی کی اطلاع ملتی تو نہایت ناراض ہوتے اور اس بارے میں کسی عند کو قبول نہ فرماتے ۔ سیر الاولیاء میں ہے ۔

” مجلس میں ایک مرتبہ ایک شخص نے حضرت سلطان المشریح سے

عرض کیا کہ ان دنوں بعض حاضر باش درویشوں نے ایک

ایسی مجلس میں جس میں چنگ و رباب اور مزامیر تھے شرکت

کی اور رقص کیا ۔ فرمایا ۔ اچھا نہیں کیا ۔ جو خلاف شرع ہے

وہ ناپسندیدہ ہے ۔ اس پر ایک شخص نے عرض کیا کہ یہ لوگ

جب باہر آئے اور لوگوں نے ان سے کہا کہ یہ آپ نے کیا کیا، اس مجلس میں مزامیر تھے۔ آپ نے سماع کس طرح سنا اور رقص کیا؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہم سماع میں ایسے مستغرق تھے کہ ہمیں کچھ پتہ نہیں چلا کہ مزامیر ہیں یا نہیں۔ حضرت سلطان المشائخ نے سنکر فرمایا کہ۔ یہ جواب بھی کچھ نہیں یہ بات تو ہر معصیت کے متعلق کہی جاسکتی ہے۔“

حضرت خواجہ مزامیر کی مانعت میں بڑی شدت اور مبالغہ فرماتے تھے۔ فرماتے تھے کہ۔

”جب عورت کو نماز میں امام کو غلطی پر متنبہ کرنے کیلئے دستک دیتے وقت اس کی مانعت ہے کہ تھیلی پر تھیلی ماری جائے کہ اس سے تالی کی آواز پیدا ہوتی ہے۔ اور یہ لہو ہے جب لہو و لعب سے اتنا پرہیز آیا ہے تو سماع میں بطریق اولیٰ مزامیر کی مانعت ہوتی چاہیے۔“

حضرت خواجہ فرماتے تھے کہ جس شخص کو اللہ

سماع میں آپ کی کیفیت

نے درد و ذوق عطا فرمایا ہے اس کو بغیر مزامیر کے ایک ہی شعور سن کر رقت پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن جسے عالم ذوق کی خبر نہیں اس کے سامنے پڑھنے

۱۰ سیر الاولیاء ص ۵۲۱ و ۵۲۲ ۱۱ ایضاً ص ۵۲۲

والے کتنے ہی پڑھیں اور کیت ہی مزا میر کیوں نہ ہوں اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ وہ اہل درد میں سے نہیں ہے۔ اس کام کا تعلق درد سے ہے نہ کہ مزا میر وغیرہ سے۔

چنانچہ حضرت خواجہ کا حال یہ تھا کہ عارفانہ اور عاشقانہ اشعار سنتے ہی آپ پر سخت رقت طاری ہوتی، لیکن اس طرح کہ لوگوں کو خبر نہ ہوتی، خدام در مال دینے جاتے اور وہ آپ کے آنسوؤں سے تر ہوتے جاتے، یہ دیکھ کر لوگ سمجھتے کہ آپ پر گم یہ طاری ہے۔

امیر خورد جو خود بھی اپنی کمسنی میں ان مجالس سماع میں شریک ہوتے تھے اور زیادہ تر اپنے والد اور چچا سے ان پر کیف مجلسوں اور ان وجد انگیز اشعار کا ذکر کرتے ہیں جو وہاں پڑھے گئے، کہتے ہیں کہ بعض مرتبہ بہت سے شعر پڑھے جاتے لیکن کیفیت نہ پیدا ہوتی، بیکایک کوئی ہندی کا دوہا یا فارسی کا کوئی عاشقانہ شعر پڑھ دیتا اور مجلس کیف ہو جاتی۔

کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک شاہی امیر قیربک نے ایک مجلس آراستہ کی مشائخ و صدور شہر کا اجتماع تھا۔ سماع شروع ہوا، کہنے والے بہت کچھ سنانے رہے کچھ اثر نہیں ہوا۔ آخر حسن بہدی قوال نے یہ شعر پڑھا۔

در کلبہ درویشی در محنت بے خویشی

بگذار مرا با من ہر سوتے کن افسانہ



اس شعر کا پڑھنا تھا کہ حضرت سلطان المشائخ پر گریہ اور ایک حالت طاری ہوئی
 اور اس کیفیت کا تمام حاضرین مجلس پر اثر ہوا اور سب کیف ہوتے بیٹھے
 ایک دوسری مجلس کا ذکر ہے۔ بالاخانہ پر مجلس ہو رہی تھی، امیر خسرو کھڑے
 تھے اور سلطان المشائخ ناسازی طبع کی وجہ سے چار پائی پر تشریف رکھتے تھے
 حسن بہدی نے سعدی کا یہ شعر پڑھا۔ ۵

سعدی تو کیستی کہ در آئی در میں کمنہ
 چنداں فتادہ اند کہ ماصبد لا عزم
 حضرت خواجہؒ پر گریہ طاری ہوا۔ اور اس میں ڈوب گئے۔ خواجہ اقبال
 رومال بڑھاتے جاتے تھے اور آپ آنسو پوچھ کر حسن بہدی کی طرف
 ان کو بڑھاتے تھے کچھ دیر کے بعد سماع ختم ہوا۔ امیر حاجی فرزند امیر خسرو
 نے امیر خسرو ہی کی غزل پر طبعی شروع کی جس کا ایک شعر یہ تھا۔ ۵

خسرو تو کیستی کہ در آئی در میں شمار
 کیں عشق تیغ بر سر مردان دین زدہ است
 حضرت خواجہؒ پر پھر وہی کیفیت طاری ہوئی اور گریہ کا غلبہ ہوا۔
 ایک مرتبہ امیر خسرو نے غزل پڑھی جس کا مطلع تھا۔ ۵
 رخ جملہ را نمود مرا گفت تو مبیس
 زین ذوق مست بیخبرم کیں سخن چہ بود

آپ نے گوشہٴ جسم سے امیر خسرو کو دیکھا اور کیفیت ظاہری ہوئی۔
 عام طور پر جس شعر پر حضرت خواجہؒ کو ذوق آتا تھا۔ دہلی کی مجلسوں
 اور شہر کی گلیوں میں عرصہ تک اس کا چہرہ چاہتا تھا اور لوگ اُس سے لطف
 لیتے اور ذوق حاصل کرتے رہتے تھے۔ سلطان علاء الدین نے بھی اہل دربار
 اور حضرت خواجہؒ کے یہاں آنے جانے والوں کو تاکید کر رکھی تھی کہ جس
 شعر پر حضرت خواجہؒ کو ذوق آئے اس کو یاد رکھا جائے اور بادشاہ کو
 سنایا جائے۔ اکثر جب بادشاہ نے وہ شعر سنا جس پر حضرت خواجہؒ کو ذوق
 آیا تھا تو بڑی تعریف کی اور ویر تک ذوق لیتا رہا۔

ذوقِ قرآن
 قرآن مجید کا ذوق، اس کے حفظ کا اہتمام اور
 تلاوت کی کثرت مشائخِ چشت کا خصوصی ذوق
 اور ان کی قدیم روایت ہے۔ خواجہ بزرگ معین الدین چشتیؒ سے لے کر
 حضرت خواجہ نظام الدینؒ تک سب کے یہاں قرآن مجید کا خصوصی ذوق اور
 شغف ملتا ہے۔ اور ہر ایک نے اپنے خلفاء خاص اور مریدین باختصاص
 کو حفظِ قرآن اور اشتغال بالقرآن کی تاکید کی ہے۔

خلافت دینے وقت شیخ کبیرؒ نے حضرت خواجہ کو حفظِ
 قرآن کی وصیت کی تھی۔ حضرت خواجہ نے یہ وصیت

۱۔ سیر الاولیاء ص ۱۴ ۲۔ ایضاً ص ۵

۳۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ "مسلمانوں کا نظامِ تعلیم و تربیت" از مولانا

مناظر احسن گیلانی (جلد دوم) ۱۲



پلورسی کی اور دہلی پہنچتے ہی اس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ حضرت خواجہؒ اپنے مریدین اور اصحابِ خاص کو بھی اس کی ترغیب دیتے رہتے تھے۔ اور تاکید فرماتے تھے۔ امیر حسن علاء سبغری جب حضرت خواجہ سے متعلق ہوتے تو وہ بوڑھے تھے۔ اور شعر و شاعری زندگی بھر کا مشغلہ تھا۔ حضرت خواجہ نے ان کو ہدایت کی کہ قرآنی ذوق کو شعر و شاعری کے ذوق پر غالب کریں۔

امیر فواد الفواد میں فرماتے ہیں۔

بارہا از لفظ مبارک مخدوم	بارہا آن مخدوم کی زبان مبارک
شنیدہ ام می باید کہ قرآن	سے میں نے یہ لفظ سنے ہیں
خواندن بر شعر گفتن غالب	کہ چاہیے کہ قرآن کا پڑھنا
آید۔	شعر کہنے پر غالب آجائے۔

پھر ان کو حفظ قرآن کی ہدایت ہوتی۔ انھوں نے ایک ثلث یاد کر لیا تو ارشاد ہوا۔

دیگر ہا اندک یاد گیرو	تھوڑا تھوڑا یاد کرو، اور اگلا یاد
یاد گرفتہ بیشینہ مکرومی کن۔	کیا ہوا دہراتے رہو۔

مولانا بدرالدین اسحاق کے صاحبزادے خواجہ محمد حضرت خواجہ کی کفالت و پرورش میں تھے ان کو بھی قرآن مجید یاد کرایا۔ خواجہ محمد امام بڑے اچھے حافظ و خوش الحان تھے۔ ان کو آپ نے نماز کا امام بنایا تھا۔ ان کی قرأت

۱۱۳ فواد الفواد ص ۲۴۹ ع ایضاً ص ۹۳

سے آپ بڑے محفوظ ہوتے اور آپ کو ان کی قرأت سن کر بڑی رقت اور ذوق آتا۔ ان کے دوسرے بھائی خواجہ موسیٰ بھی حافظ و قاری تھے۔ معمول تھا کہ جب دسترخوان پر بیٹھتے تو پہلے خواجہ محمد اور خواجہ موسیٰ کچھ قرآن شریف پڑھتے اس کو دعاِ امدہ کہتے تھے۔ اس کے بعد کھانا شروع ہوتا اپنے نواسوں (خواہر زادہ کے صاحبزادگان) خواجہ رفیع الدین وغیرہ کو بھی قرآن حفظ کرایا۔ خود بھی نوافل میں قرآن شریف پڑھتے اور خاص خدام سے دریافت فرماتے کہ ان کا کیا معمول ہے؟

یوں تو جو شخص جس سے کوئی نعمت پاتا ہے۔
داگر اس کی طبیعت میں شرافت اور احسانداری

شیخ سے تعلق

کا جذبہ ہے، اس کا گرویدہ ہوتا ہے اور اس کو اپنا محسن سمجھتا ہے۔ لیکن حضرت خواجہ کو اپنے مرشد سے عاشقانہ اور والہانہ تعلق تھا۔ اور ان کے اختصاص و امتیاز اور روحانی ترقیات میں اس کو خاص دخل تھا۔ اس محنت کا نتیجہ یہ تھا کہ جب کسی محبوب کی تعریف ہوتی تو ان کو اپنے شیخ کی یاد تازہ ہو جاتی اور وہ انھیں کو اس کا مصداق سمجھتے۔ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ شیخ کی زندگی میں ایک مجلس میں قوال نے یہ شعر پڑھا۔

مخرام بدیں صفت مبادا کز چشم بدت رسد گزندگی

۱۔ سیر الاولیاء ص ۲۰۰ ۲۔ ایضاً ص ۱۹۹

۳۔ سیر الاولیاء ص ۲۰۳



فرماتے ہیں کہ مجھے شیخ کے اخلاق و اوصاف، ان کا فضل و کمال اور ان کی لطافت و زیبائی یاد آگئی۔ ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ بیان نہیں ہو سکتی، قوال نے چاہا کہ آگے بڑھے، میں نے بار بار وہی شعر پڑھوایا یہ ذکر کر کے آپ پر گم رہ گیا۔ فرمایا اس کے بعد زیادہ دن نہیں گذرے کہ حضرت نے انتقال کیا۔

ضعف و پیری
اور شدید مجاہدات

جماعت کا اہتمام اور بلند ہستی

کے باوجود جماعت سے نماز پڑھنے کا بے حد اہتمام تھا۔ صاحب سیر الاولیاء لکھتے ہیں۔

”عمر شریف اسٹی سے متجاوز ہو گئی، جب بھی پانچوں وقت جماعت سے نماز پڑھنے کے لئے بالاخانہ سے جو بہت بلند تھا، جماعت خانہ میں اتر کر ان درویشوں اور ساتھیوں کے ساتھ جو وہاں موجود ہوتے تھے جماعت کے ساتھ نماز ادا کرتے تھے۔ اس کبر سنی کے باوجود ہمیشہ روزہ رکھتے، کم افطار کرتے۔“

۱۔ فوائد الفواد ص ۹۹

۲۔ سیر الاولیاء ص ۱۲۵

شریعت کی پابندی اور اتباع سنت کا اہتمام

حضرت خواجہؒ خود بھی اتباع سنت کا اہتمام بلیغ رکھتے تھے کہ
بقول سعدیؒ:۔

محال است سعدی کہ راہِ صفا
تواں رفت جز در پئے مصطفیٰ

اور اپنے اصحاب و خدام کو بھی بڑی تاکید فرماتے تھے یمن کے
علاوہ تاکید تھی کہ مستجاب و آداب تک فوت نہ ہوں۔ سیر الاولیاء
میں آپ کا ارشاد منقول ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی پیروی و اتباع پر مضبوطی
و ثابت قدمی دکھانی چاہیے
اور کوئی مستحب اور ادب
بھی فوت نہ ہونے پائے۔

استقامت می باید کہ
بر متابعت رسول علیہ السلام
والقلوة باشد و بیچ
مستحب و آدابے فوت
نہ شود۔

مشائخ کے لئے اور جس کو پیری مریدی کرنا ہو شریعت کا علم
ضروری سمجھتے تھے۔ تاکہ اس سے کوئی عمل خلاف شریعت نہ صادر
ہو۔ نہ دوسرے کو کسی خلاف شرع امر کی تلقین کرے۔ فرماتے ہیں۔

سیر الاولیاء ص ۳۱۸

پیر ایسا چاہئے کہ احکام	پیر آں چناں باید کہ در
شریعت و طریقت و حقیقت	احکام شریعت و طریقت
کا (مزوری) علم رکھتا ہو اور	و حقیقت عالم باشد
جب ایسا ہوگا تو وہ کسی	و چوں این چنین باشد
خلاف شرع کام کے لئے	او خود بیچ نامشروع
نہ کہے گا۔	ز فراید۔

۱۱۷ فوائد الفواد ص ۱۲۷

باب چہارم

افادات و تحقیقات

علمی پایہ حضرت خواجہ باطنی کمالات کے ساتھ علوم ظاہری میں بھی بلند پایہ رکھتے تھے۔ اپنے زمانہ کے تمام مروجہ علوم کو بلند ہمتی، محنت اور اہتمام سے بڑھا تھا۔ ان کے اساتذہ میں اس عہد کے نامور ترین فضلاء اور شیوخ میں۔ ادب اور علوم دینیات کی تعلیم انھوں نے مستوفی الممالک شمس الملک مولانا شمس الدین خوارزمی سے پائی تھی۔ حدیث کا درس مولانا کمال الدین زاہد محمد ابن احمد مارکلی سے لیا۔ جو صاحب مشارق الانوار امام حسن ابن محمد الصغانی کے شاگرد اور بیک واسطہ صاحب ہدایہ کے شاگرد تھے۔ کچھ کتابوں کو شیخ بکیر حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر سے پڑھ کر علم میں مزید جلا حاصل کی۔

علمی و ادبی مناسبت اگرچہ اپنی مناسبت فطری اور شیخ کی نسبت باطنی کے

اثر سے روز بروز الفاظ کے مقابلہ میں معانی اور معانی کے مقابلہ میں حقائق

واحوال اور اسم سے زیادہ "مسمیٰ" میں مشغولیت بڑھتی گئی۔ پھر بھی علم و ادب سے مناسبت اور علمی ذوق آخر تک قائم رہا۔

سیر الاولیاء میں ہے کہ مولانا رکن الدین چغرنے کشاف اور مفصل اور ان کے علاوہ بعض کتابیں حضرت سلطان المشائخ کی خاطر نقل کر کے خدمت میں پہنچائیں۔ یہ دونوں کتابیں مشہور معتزلی فاضل علامہ محمود جلد اللہ بختری (متوفی ۵۳۸ھ) کی تصنیف ہیں پہلی کتاب تفسیر میں ہے اور دوسری نحو میں۔ اس سے بھی آپ کے علمی ذوق اور وسعت نظر کا اندازہ ہوتا ہے۔ اسی سیر الاولیاء میں ہے کہ سید خاموش ابن سید محمد کرمانی مجلس خلوت میں خمسہ نظامی حضرت خواجہ کی خدمت میں پڑھتے تھے۔ آپ کا ادبی ذوق اتنا بلند اور پاکیزہ تھا کہ امیر خسرو جیسے سرآمد روزگار شاعر جو اپنے طرز میں بے نظیر اور فارسی کے صف اول کے شعراء میں ہیں، کو شاعری میں مشورہ دیا اور رہنمائی فرمائی۔ سیر الاولیاء میں ہے کہ ابتداء میں امیر خسرو جو غزل کہتے تھے اس کو حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں بنظر اصلاح پیش کرتے تھے۔ ایک روز حضرت نے ان سے فرمایا کہ صفا انیوں کے طرز میں کہا کرو۔

سلطان عیاض الدین تغلق کے دربار
میں مسئلہ سماع پر جو مجلس مناظرہ

حدیث وفقہ پر نظر

۱۔ سیر الاولیاء ص ۳۱۷ ۲۔ ایضاً ص ۲۱۹ ۳۔ ایضاً ص ۳۰۱

ہوتی تھی اس میں حضرت خواجہ نے مسئلہ پر جو تقریر کی اور اس کی تنقیح فرمائی اس سے بھی حضرت کے علمی مرتبہ اور وسعت نظر کا اندازہ ہوتا ہے۔

ہندوستان میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے عہد سے پہلے کتب صحاح متداول نہیں ہوتی تھیں اور صحیحین تک سے لوگ زیادہ مانوس اور آشنا نہیں تھے حدیث میں مشارق الانوار اور مشکوٰۃ سرمایہ علمی اور فن حدیث کا منتہی سمجھی جاتی تھی۔ بکثرت موضوع اور ضعیف احادیث صوفیوں کی زبان پر جاری اور بزرگوں کے ملفوظات مجالس میں بے تکلف منقول ہیں۔ نقد حدیث اور موضوعات کا علم علامہ محمد طاہر پٹنی سے پہلے یہاں نظر نہیں آتا۔ حضرت خواجہ کے ملفوظات اور سوانح سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ایسی بہت سی بے اصل روایات سے جو زبان زد خلاق ہیں، استدلال نہیں فرماتے تھے اور آپ کی اس پر نظر تھی کہ احادیث صحیحہ کا سب سے مستند مجموعہ صحیحین ہیں۔ فوائد الفواد میں ہے کہ کسی نے دریافت کیا کہ یہ حدیث کیسی ہے؟ السَّخِيءُ حَبِيْبٌ اللهُ وَإِنْ كَانَتْكَافِرًا“ فرمایا کسی کا مقولہ ہے۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ یہ اربعین (پہل حدیث) کی حدیث ہے۔ فرمایا جو کچھ

یہ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ الثقافة الاسلامیة

فی الہند۔ کا باب حدیث۔



صحیحین میں ہے وہ صحیح ہے۔

۱۰ فوائد الفوائد ص ۱۳

اس موقع پر اس کا اظہار ضروری ہے کہ باوجود اس کے کہ آپ صحیحین کے مرتبہ سے واقف تھے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صحاح ستہ کے عام طور پر اور صحیحین کے خاص طور پر ہندوستان میں متداول نہ ہونے کی وجہ سے ان سے علماء و مشائخ کا اشتغال نہیں تھا۔ خود آپ نے بھی اگر مجلس مناظرہ کی روداد صحیح ہے مجلس مناظرہ میں جن حدیثوں کو علتِ سماع کی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔ وہ صحاح کی احادیث نہیں ہیں۔ اور محدثین کے نزدیک ان کا پایہ کچھ بلند نہیں ہے۔ فریقِ مقابل کے علماء نے بھی جو اکابر علماء اور اعیانِ قضاة میں سے تھے۔ جس طرح گفتگو اور استدلال کیا ہے۔ اس سے علمِ حدیث سے نہ صرف ان کی بے خبری کا ثبوت ملتا ہے بلکہ ایک عالمِ دین کو اس کے بارے میں جو رویہ اختیار کرنا چاہیے۔ اس کی کمی کا بھی احساس ہوتا ہے۔ کتب صحاح اور نقد حدیث اور جرح و تعدیل کے فن کے شائع نہ ہونے کی وجہ سے خالقانہوں میں بہت سی ایسی رسوم بہاں تک کہ سجدہ تعظیمی رائج تھیں۔ اور بہت سے ایسے اوقات و ایام کے فضائل کی روایات مشہور تھیں اور مشائخ کے ملفوظات میں ان کا بڑی آب و تاب سے ذکر آتا ہے جن کا احادیث کے صحیح مجموعوں میں کوئی وجود نہیں اور محدثین ان پر سخت کلام کرتے ہیں۔ اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے حضرت محدثین اور مخلصین کی کوششوں کی قدر ہوتی ہے جنہوں نے ہندوستان میں فنِ حدیث کی اشاعت کی۔ اور صحیح و ضعیف احادیث میں امتیاز پیدا کیا۔ شکر اللہ مسأعیہم

اہمیت علم

اپنے مشائخ کرام کی طرح آپ کی نظر میں بھی
علم کی بڑی اہمیت اور عظمت تھی اور اس

کو سالکین اور ان لوگوں کے لئے جو ارشاد و تہذیب کا کام کریں آپ
بہت ضروری سمجھتے تھے۔

بنگال کے ایک نہایت عالی استعداد نوجوان جو بعد میں اخی سراج الدین
کے نام سے مشہور ہوئے اور جو پنڈوہ کی مشہور عالم چشتی خانقاہ کے
بانی اور سر حلقہ ہیں۔ لکھنؤی سے بہ نیت ارادت دہلی آئے۔ حضرت
خواجہ کے مرید ہوئے۔ آپ نے مولانا فخر الدین زراوی سے فرمایا کہ
یہ جوان بڑی قابلیت رکھتا ہے۔ اگر کچھ علم ظاہر بھی رکھتا ہوتا تو درویشی
میں مستحکم ہوتا۔ یہ بات سن کر مولانا فخر الدین نے عرض کیا کہ اگر اجازت
ہو تو میں اس کو کچھ عرصہ اپنی صحبت میں رکھ کر ضروری مسائل یاد کرادوں
فرمایا کہ یہ آپ کی صحبت کا بڑا مستحق ہے۔ مولانا فخر الدین ان کو اپنے
ساتھ لے گئے اور عرصہ قلیل میں علم سے مناسبت پیدا کرادی حضرت
خواجہ کی وفات کے بعد بھی وہ تکمیل علم کے لئے کچھ عرصہ دہلی میں
ٹھہرے رہے۔ پھر وطن واپس آگئے اور مشرق و بنگال میں سلسلہ چشتیہ
نظامیہ کی اشاعت کا ذریعہ بنے۔

۱۔ سیر العارفین وغیرہ۔

بلند علوم و مضامین

علم ظاہر و باطن کی اس جامعیت
اخلاص اور تفکر و مجاہدات کی

بنا پر آپ کو ان بلند اور صحیح علوم اور حقائق و معارف سے حصہ وافر
ملا۔ جو اولیاء کاملین اور کبار مخلصین ہی کو ملا کرتا ہے۔ اور جو صفائے
باطن، طہارت اخلاق اور اخلاص کا لازمی نتیجہ ہے۔ اور جس کو اہل تصوف
علوم لدنیہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ صاحب سیر الاولیاء لکھتے ہیں کہ کسی علم میں
گفتگو ہوتی یا کوئی اشکال پیش آتا، آپ اپنے نورِ باطن سے ان کا
جوابِ ثنائی عطا فرماتے۔

اے لفقائے توجواب ہر سوال

مشکل از تو حل شود بے قیل و قال

آپ اس مسئلہ پر ایسی بلیغ تقریر فرماتے کہ تمام حاضرین مجلس حیرت
میں رہ جاتے، اور ایک دوسرے سے کہتے کہ یہ کتابی جوابات
نہیں ہیں۔ یہ الہام ربانی اور علم لدنی کے فیوض ہیں۔ اسی بنا پر
شہر کے چوٹی کے علماء جو تصوف کے منکر اور اہل تصوف کے
مخالف مشہور تھے۔ حضرت خواجہ کے حلقہ بگوش اور اپنے علمی غرور
اور زعم پر نادم ہوئے اور آپ کے خدام اور ارادتمندوں میں
شامل ہو گئے۔

سیر الاولیاء ص ۱۳

علوم صحیحہ شرعیہ

اس علمی رسوخ، اتباع سنت اور استقامت
علی الشریعت نے آپ کے ذہن کو ایسا

مستقیم بنا دیا تھا کہ اہل تصوف میں جو باتیں عرصہ دراز سے ظاہر
شریعت کے خلاف چلی آتی تھیں اور بہت جگہ اہل تصوف کا
شعار بن گئی تھیں۔ آپ اپنی سلامتی ذہن سے ان کو قبول نہیں کرتے
تھے اور آپ کا ذوق اور تحقیق ان کے خلاف تھی۔

تصوف کے حلقوں میں بہت عرصہ سے اس خیال کا اظہار ہو رہا
تھا کہ ولایت نبوت سے افضل اور اولیاء کو انبیاء پر فضیلت حاصل
ہے۔ اس لئے کہ ولایت عبارت ہے حضرت حق کے ساتھ مشغولیت اور
ماسوی اللہ کے انقطاع سے اور نبوت میں دعوت و تبلیغ کی وجہ سے
مخلوق کے ساتھ مشغولی ہوتی ہے۔ پھر اس میں اور کئی مذہب پیدا ہو گئے
اور کسی نے یہ تاویل کی کہ انبیاء کی ولایت ان کی نبوت سے افضل ہے لیکن آپ
ان کو تسلیم نہیں کرتے فوائد الفواد میں ہے کہ حضرت خواجہ نے فرمایا کہ یہ مذہب
باطل ہے اس سبب سے کہ اگرچہ انبیاء مخلوق کے ساتھ مشغول ہوتے ہیں لیکن
جس وقت کہ وہ حق کے ساتھ مشغول ہوتے ہیں اس مشغولیت کا قلیل سے قلیل
زمانہ بھی اولیاء کے تمام اوقات پر فضیلت رکھتا ہے۔

۱۰ فوائد الفواد ص ۱۱ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی نے اتنا مزید اضافہ کیا کہ انبیاء
عین مشغولی بخلق کی حالت میں بھی اولیاء سے (یعنی اس وقت جب وہ حق (صفحہ آئندہ)



حلال مانع راہِ خدا نہیں تصوف کے متعلق عام طور پر یہ سمجھا اور مشہور کیا گیا ہے کہ تصوف

تعطل اور بے کاری و بے عملی کا نام ہے۔ اور ہر اشتغال و مولی اللہ سے مانع اور راہِ سلوک کا ہرن ہے۔ حضرت خواجہ معرفت و تحقیق کے جس مقام پر فائز تھے اور وسائل و رسوم سے بلند ہو کر مقاصد اور لب لباب پر جس طرح آپ کی نظر تھی اس کا مقتضایہ تھا کہ آپ اس مقام سے آگے بڑھ چکے تھے اور فعل حلال و مشروع کی نوریانیت اور اس کا ذریعہ قرب ہونا آپ کی نظر میں تھا۔ حضرت خواجہ سید محمد گیسو دراز کے ملفوظات ”جوامع الکلم“ میں ہے کہ حضرت خواجہ نظام الدین نے فرمایا۔

بیچ کسے (چیزے) کہ حلال است کوئی چیز جو حلال ہے راہِ خدا
مانع راہِ خدائی نیست کی مانع اور قاطع سلوک
وقاطع سلوک نیست و گرنہ نہیں ورنہ مشروع حلال نہ
مشروع و حلال نبود کی۔ ہوتی۔

۱۴۔ جوامع الکلم ص ۱۴۰

(صفحہ گذشتہ) کے ساتھ مشغول ہوتے ہیں، زیادہ متوجہ الی اللہ اور مشغول باللہ ہوتے ہیں۔ ان کی مشغولیت بخلق چونکہ حکم الہی سے ہوتی ہے اس لئے وہ عین مشغولیت بحق اور امر الہی کا امتثال ہوتا

ہے۔ ۱۲۔

قلب متوجہ الی اللہ کے بعد کوئی چیز مضرت نہیں

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ خدا کی طرف متوجہ دل اور پاک
نفس چاہیے۔ اس کے بعد جس کام میں رہتا ہو رہو۔ تمہیں کوئی
نقصان نہ ہوگا۔

ترک دنیا کی حقیقت

ترک دنیا اور حقیقی زہد و ورستی کی حقیقت بیان کرتے
ہوئے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا۔

ترک دنیا کے معنی یہ نہیں
ہیں کہ کوئی اپنے کو ننگا کر دے
مثلاً لنگوٹہ باندھ کر بیٹھ جائے
صحیح معنی میں ترک دنیا یہ
ہے کہ کپڑے پہنے کھانا کھانے
اور جو کچھ میسر آئے اس کو
استعمال کرے لیکن اس کے

ترک دنیا آن بیدت
کہ کسے خود را برہنہ
کند مثلاً لنگوٹہا بند دو
بنشیند، ترک دنیا آن
ست کہ لباس پوشند و طعام
بخورد و آنچه رسد روا
بدارد و بجمع او میل نہ کند و خاطر

۱۳ یعنی مشروع وجوہ معاشی اور ظاہری مشاغل وغیرہ۔

۱۴ سیرالاولیاء ص ۱۴

جمع کرنے کی طرف متوجہ نہ ہو اور اپنے دل کو کسی چیز میں پھنساتے نہیں یہی ترک دنیا ہے۔	را متعلق چیز سے ندارد ترک دنیا است۔
---	--

فرمایا۔ طاعت کی دو قسمیں

ہیں لازم اور متعدی۔ طاعت

طاعت لازم و متعدی

لازمی اسے کہتے ہیں جس کی منفعت طاعت کرنے والے کو پہنچے
جیسے نماز، روزہ، حج، اور ادویہ و تسبیحات وغیرہ۔ طاعت متعدی وہ
ہے جس کی منفعت اور راحت دوسرے کو پہنچے، مثلاً دو مسلمانوں
میں اتفاق کرادینا، شفقت، دوسرے کے ساتھ مہربانی وغیرہ
اس کو طاعت متعدی کہتے ہیں۔ اور اس کا ثواب بے حد و بے
اندازہ ہے۔

طاعت لازمی کی قبولیت کے لئے بڑے اخلاص کی ضرورت
ہے اور طاعت متعدی جس طرح بھی کرے گا ثواب ملے گا۔

ارشاد ہوا کہ اولیاء سے

جو کچھ اظہار ہوتا ہے۔

کشف و کرامات حجاب راد

وہ ان کی سکر و مستی کا نتیجہ ہے۔ اس لئے کہ وہ اصحاب سکر ہیں۔ اس

لہ فوائد النواد ص ۷۷ ایضاً ص ۱۲۷

کے برخلاف انبیاءِ اصحابِ صحو ہیں۔ سالک کے لئے کشف و کرامات
حجابِ راہ ہیں۔ محبت سے استقامت پیدا ہوتی ہے۔

فرمایا کہ تین مرتبے ہیں۔ ایک مرتبہ
جس کو طورِ جس کہنا چاہیے۔ دوسرا

علوم انبیاء و اولیاء

طورِ عقل اور تیسرا طورِ قدس۔ طورِ جس میں مطعومات دکھانے پینے
کی چیزیں، مشعومات (جن کی خوشبو محسوس ہوتی ہے) وغیرہ محسوسات
معلوم ہوتی ہیں۔ اس کے بعد طورِ عقل ہے اس کا تعلق دو علموں
سے ہے نسبی اور بدیہی، لیکن عالم قدس میں پہنچ کر عقل سے
حاصل کئے ہوئے کسی علم بھی بدیہی معلوم ہونے لگتے ہیں پھر
فرمایا کہ بدیہی بھی علمِ قدس نہیں ہے کسی کا کیا ذکر؟ وہ انبیاء
و اولیاء کے علوم ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ جس پر عالم قدس کا
دروازہ کھلتا ہے۔ اس کی علامت کیا ہو سکتی ہے؟ جو شخص عالمِ عقل
میں ہوتا ہے اور وہ کسی مسئلہ کو بدیہی یا کسی علم سے حل کرتا ہے
اور اس سے اس کو ایک فرحت حاصل ہوتی ہے وہ عالمِ قدس
میں راہ نہیں پاتا۔ اس درمیان میں کسی بزرگ کا واقعہ بیان کیا
کہ وہ فرماتے تھے کہ عینب سے کچھ علوم اور واردات دل پر گزرتے
ہیں انشاء اللہ ان کو قلم بند کروں گا۔ اس کے بعد بہت کچھ لکھا پھر

فرمایا کہ بہت کچھ لکھا گیا لیکن جو کچھ مقصود تھا وہ ضبط تحریر میں نہیں آسکا۔

ایک دن اس کا ذکر ہو رہا تھا کہ کسی کو دنیا کی محبت

دنیا کی محبت اور عداوت

ہوتی ہے اور کسی کو اس سے نفرت۔ فرمایا کہ تین طرح کے لوگ ہیں۔ کچھ لوگ ہیں جو دنیا کو دوست رکھتے ہیں اور دن رات اس کی یاد اور فکر میں رہتے ہیں۔ ایسے لوگ بہت ہیں۔ کچھ دوسرے لوگ ہیں جو دنیا سے نفرت کرتے ہیں اور اس کا حقارت کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔ اور ہمیشہ اس کی دشمنی میں رہتے ہیں تیسری قسم ان لوگوں کی ہے جن کو نہ دنیا سے محبت ہوتی ہے نہ نفرت اور وہ اس کا ذکر محبت یا عداوت کے ساتھ نہیں کرتے۔ یہ پہلی دونوں قسموں سے بہتر ہے۔ اس کے بعد آپ نے حکایت سنائی کہ ایک شخص حضرت رابعہ بصریؒ کے پاس آیا اور دنیا کی سخت مذمت کرنے لگا۔ حضرت رابعہ بصریؒ نے اس سے کہا کہ برائے مہربانی اب اس کے بعد نہ آئیے گا۔ آپ کو دنیا سے محبت معلوم ہوتی ہے اس لئے کہ آپ اس کا بہت ذکر کرتے ہیں۔

۱۰ فوائد الفوائد ج ۱ ص ۳۹

۱۱ ایضاً ج ۱ ص ۱۸۹

مراتب تلاوت قرآن

ایک مرتبہ آپ نے تلاوت قرآن کے مراتب اس طرح

بیان فرمائے کہ پہلا مرتبہ یہ ہے کہ جو کچھ پڑھے اس کے معانی دل پر گزارے۔ دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ پڑھتے وقت اللہ کی عظمت و جلال کو دل پر طاری کرے۔ تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ پڑھنے والے کا دل حق تعالیٰ کے ساتھ متعلق و مشغول ہو۔

فرماتے کہ قرآن پڑھتے ہوئے تو کم از کم اس شعور کو ہر شخص میں ہونا چاہیے کہ میں اس نعمت کے لائق کہاں تھا۔ اور میرے نصیب ایسے کہاں تھے کہ مجھے یہ دولت ملے۔ اگر یہ سب حاصل نہ ہو تو پڑھنے پر جس ثواب اور جزا کا وعدہ ہے اس کو ذہن میں تازہ اور مستحضر رکھا جائے یہ

اگرچہ حضرت خواجہؒ نے جیسا کہ انھوں نے کئی بار ارشاد فرمایا کوئی تصنیف نہیں کی۔ لیکن آپ کی سب سے بڑی تصنیفات آپ کے تربیت کئے ہوئے اور آپ کی صحبت پائے ہوئے وہ خلفائے کبار اور اصحاب نامدار ہیں جو عمل صحیح اور علم صحیح کا نمونہ تھے اور جن کے دل کی راستی، علم کی گہرائی اور فہم کی پختگی 'الرَّاسِخِينَ فِي الْعِلْمِ' کے شایانِ شان تھی۔ امیر حسن علاء سبزی کی فوائد الفواد اور امیر خور دکی سیر الاولیاء میں آپ کے بہت سے اقوال و ملفوظات منقول ہیں۔ جو آپ کی شانِ تحقیق کا مظہر ہیں۔ ۱۔ فوائد الفواد ص ۲۵ خیر المجلد ص ۳۵

باب پنجم

فیوض و برکات

قبل اس کے کہ ان فیوض
و برکات کا ذکر کیا جائے

تجدید ایمان و توبہ عام

جو حضرت خواجہ نظام الدینؒ کے ساتھ تعلق اور ان کے ہاتھ پر توبہ و بیعت کے ذریعہ لاکھوں مسلمانوں کو پہنچے۔ اور ایک ایسے زمانہ میں جب مسلمانوں کی حکومت اپنے پورے عروج پر تھی اور غفلت خدا فراموشی اور نفس پرستی کے اسباب و محرکات پورے شباب پر تھے۔ ایک ایسی نئی دینی اور روحانی لہر پیدا ہوئی جس کو ہر محسوس کرنے والے نے محسوس کیا۔ مناسب ہوتا ہے کہ مشائخ طریقت کی بیعت عام اور ارشاد و تلقین توبہ کی حکمت اور ضرورت بیان کر دی جائے۔ تاکہ معلوم ہو کہ کن حالات و ضروریات کے ماتحت اس طریقے کو اختیار کیا گیا اور اس سے کیا دینی فوائد پہنچے۔ راقم سطور نے تاریخ دعوت و عزیمت کے حصہ اول میں حضرت

سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ کے تذکرہ کے ضمن میں جو کچھ لکھا تھا پہلے اسی کو کسی قدر اختصار و ترمیم کے ساتھ نقل کیا جاتا ہے۔

”خیر القرون کے بعد اسلامی آبادی کا پھیلاؤ اور زندگی کی ذمہ داریاں اور معاشی تفکرات اتنے بڑھ گئے تھے کہ خصوصی تعلیم و تربیت کے ذرائع سے عمومی اصلاح و تربیت کا کام نہیں لیا جاسکتا تھا اور کسی بڑے پیمانہ پر کسی دینی اور روحانی انقلاب کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی۔ پھر اس کی کیا صورت تھی کہ مسلمانوں کی بڑی تعداد اپنے ایمان کی تجدید کرے۔ دینی ذمہ داری و پابندیوں شعور و احساس ذمہ داری کے ساتھ دوبارہ قبول کرے اس میں پھر اپنی ایمانی کیفیات اور دینی جذبات پیدا ہوں۔ اس کے افسردہ و مردہ دل میں پھر محبت کی گرمی پیدا ہو۔ اور اس کے مضمحل قویٰ میں پھر حرکت و نشاط پیدا ہو۔ اس کو کسی مخلص خدا شناس پر اعتماد ہو اور اس سے وہ اپنے امراض و روحانی و نفسانی میں علاج اور دین کی صحیح روشنی اور رہنمائی حاصل کرے۔ ناظرین کو اس کا اندازہ ہو چکا ہے کہ اسلامی حکومتیں جن کا یہ اصلی فرض تھا اس لئے کہ جس نبی کی نیابت و نسبت پر وہ قائم تھیں بقول سیدنا عمرو بن عبدالعزیزؒ وہ ہر ایت



کے لئے مبعوث ہوا تھا۔ ”جاہلیت“ ”تحصیل و صول“ کیلئے نہیں، نہ صرف اس فریضہ سے غافل اور کنارہ کش ہو چکی تھیں بلکہ اپنے سربراہوں اور عمال حکومت کے اعمال و کردار کے لحاظ سے اس کام کیلئے مضر اور اس کے راستہ میں مزاحم تھیں۔ دوسری طرف وہ اس قدر بدگمان، توہم پرست اور شکی واقع ہوتی تھیں کہ کسی نئی تنظیم اور نئی دعوت کو جس میں قیادت و سیادت کی آمیزش پائیں برداشت نہیں کر سکتی تھیں۔ اس کو وہ فوراً کچل کر رکھ دیتیں۔ ایسی صورت میں مسلمانوں میں نئی دینی زندگی، نیا نظم و ضبط اور نئے سرے سے حرکت و عمل پیدا کرنے کے لئے اس کے علاوہ کیا شکل تھی کہ خدا کا کوئی مخلص بنو! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر ایمان و عمل اور اتباع شریعت کے لئے بیعت لے اور مسلمان اس کے ہاتھ پر اپنی سابقہ غفلت و جاہلیت کی زندگی سے توبہ اور ایمان کی تجدید کریں۔ اور پھر نائب پیغمبران کی دینی نگرانی و تربیت کرے۔ اپنی کیمیا اثر صحبت، اپنے شعلہ محبت، اپنی استقامت اور اپنے نفسِ گرم سے پھر ایمانی حرارت، گرمی محبت، خلوص و لگہیت، جذبہ اتباع سنت اور شوقِ آخرت پیدا کر دے۔

اُن کو اس نئے تعلق سے محسوس ہو کہ انھوں نے ایک زندگی سے توبہ کی ہے اور ایک نئی زندگی میں قدم رکھا ہے اور کسی اللہ کے بندے کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا ہے وہ بھی یہ سمجھے کہ ان بیعت کرنے والوں کی اصلاح و تربیت اور ان کی دینی خدمت اللہ تعالیٰ نے میرے سپرد کی ہے اور اس محبت و اعتماد کا مجھ پر نیا حق قائم ہو گیا ہے پھر اپنے تجربوں و اجتہاد اور کتاب و سنت کے اصول و تعلیمات کے مطابق ان میں صحیح روحانیت و تقویٰ اور کی زندگی میں ایمان احتساب و اخلاص اور اُن کے اعمال و عبادات میں ایسانی کیفیات اور روح پیدا کرنے کی کوشش کرے یہی حقیقت ہے اس بیعت تربیت کی جس سے دین کے مخلص داعیوں نے اپنے اپنے وقت میں احیاء و تجدید دین اور اصلاح مسلمین کا کام لیا ہے۔ اور لاکھوں بندگانِ خدا کو حقیقتِ ایمان اور درجہٴ احسان تک پہنچا دیا ہے۔“

بیعت ایک عہد و معاہدہ یہ بیعت پچھلے گناہوں سے توبہ اور خدا

ورسول کے احکام کی تعمیل اور اتباعِ شریعت کا ایک معاہدہ ہوتا

۱۔ تاریخ دعوت و عزیمت، حصہ اول ص ۲۰۲



تھا۔ سلطان المشائخ بیعت لینے وقت بیعت کرنے والے سے کیا الفاظ کہلاتے تھے اور آئندہ کے لئے اس سے کیا عہد لینے تھے۔ کسی تذکرہ میں اس کے صحیح الفاظ نظر سے نہیں گذرے۔ لیکن حضرت خواجہ نے خود اپنے شیخ و مرشد شیخ بکیر حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر کے بیعت لینے کا طریقہ اور ان کی تلقین کا ذکر کیا ہے اور ان کو اپنے شیخ سے جو الہام تعلق اور ان کی پیروی کا جو جذبہ تھا اس سے یہی قیاس کیا جاسکتا ہے کہ وہ بھی اسی طرح اپنے نئے مریدین کو تلقین فرماتے ہوں گے۔ ارشاد ہے۔

”جب کوئی شخص شیخ شیوخ العالم فرید الدین والحق کی خدمت میں بنیت ارادت آتا فرماتے پہلے ایک بار سورہ فاتحہ اور سورہ اخلاص پڑھو، اس کے بعد سورہ بقرہ کا آخری رکوع امن الرسول سے آخر تک پڑھتے۔ اس کے بعد شہدائے اللہ انہ لا الہ الا هو ان الدین عند اللہ الاسلام۔ تک پڑھتے۔ اس کے بعد فرماتے کہ تم نے بیعت کی اس ضعیف کے ہاتھ پر، اس کے شیخ اور اور شیخ کے مشائخ کے ہاتھ پر، اور حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دست مبارک پر، اور حضرت عزت (جل مجدہ) سے عہد کیا کہ اپنے ہاتھ پاؤں اور آنکھوں کی حفاظت کرو گے اور شریعت کے راستہ اور طریقے

پر قائم رہو گے۔“

بیعت کی اس تلقین میں اسلام کے بنیادی عقائد آگئے۔ سمع و طاعت (سننے اور ماننے) کا وعدہ اور ارادہ بھی آگیا۔ یہ بات بھی آگئی کہ اللہ کے یہاں قابل قبول دین صرف دین اسلام ہے۔ اس کا احساس بھی بیدار و تازہ کر دیا گیا کہ یہ بیعت دراصل دست مبارک نبوی پر ہے اور شیخ کا ہاتھ اس دست مبارک کا قائم مقام ہے۔ رب العزت سے اس کا بھی عہد کیا گیا کہ ہاتھ پاؤں اور آنکھوں کی معصیتوں سے حفاظت کی جائے گی۔ اور راہ شریعت پر قائم رہا جائے گا۔ تجدید ایمان اور خدا و رسول سے اپنا پیمانہ عہد استوار کرنے کا اس سے بہتر اور عام فہم طریقہ کیا ہو سکتا ہے؟ یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ بیعت کرنے والے سو فی صدی اس عہد پر قائم رہتے تھے لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بیعت کرنے والوں میں سے ایک بڑی تعداد اس اقرار اور عہد کی شرم اور لاج رکھتی اور ہزاروں اور لاکھوں بندگانِ خدا کے لئے یہ تجدید ایمان اور انقلابِ حال کا ذریعہ بن جاتی۔

بیعت وارشاد میں ان حضرات

نے جو وسعت و اذنِ عام

عموم بیعت کی حکمت

فرما رکھا تھا اور جس طرح بغیر کسی امتحان اور امتیاز کے لوگوں کو اجازت



تھی کہ وہ بیعت کریں اور حلقہ ارادت میں داخل ہو جائیں۔ خاص طور پر حضرت خواجہ کے یہاں اس باب میں جو وسعت و رعایت تھی۔ اس پر بعض لوگوں کو یہ کھٹک پیدا ہو سکتی ہے کہ جب بیعت ایک معاہدہ ہے اور اس کا تعلق پوری زندگی سے ہے تو اس میں اتنی وسعت کیوں روا رکھی گئی ہے؟ حضرت خواجہ نے ایک موقع پر خود ہی اس اشکال کا جواب دیا ہے۔ اور اس عمومیت کی حکمت بیان کی ہے۔

مولانا ضیاء الدین برنی (مصنف تاریخ فیروز شاہی) فرماتے ہیں کہ میں ایک دن حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر تھا۔ اشراق سے چاشت تک آپ کی روح پرور جان نواز باتیں سنتا رہا، اس روز خاص طور پر بہت کثرت سے لوگ بیعت ہوتے، یہ دیکھ کر میرے دل میں آیا کہ مشائخ متقدمین نے مرید کرنے میں بڑی احتیاط سے کام لیا ہے۔ سلطان المشائخ نے اپنی فیاضی و عنایت سے اس کا اذن عام دے دیا ہے۔ اور آپ عام و خاص سب کو مرید کر لیتے ہیں۔ میں نے چاہا کہ میں اس بارے میں سوال کروں۔ سلطان المشائخ اپنے کشف سے میرے خطرے پر مطلع ہو گئے فرمایا۔

”مولانا ضیاء الدین! تم ہر طرح کی باتیں پوچھتے ہو، یہ نہیں پوچھتے کہ میں بغیر تحقیق کے آنے والوں کو کیوں مرید کر لیتا ہوں۔“

یہ سُنکر مجھ پر لرزہ سا طاری ہو گیا اور میں نے آپ کے قدم لے کر عرض کیا کہ ایک عرصہ سے میرے دل میں یہ اشکال تھا۔ آج بھی یہ وسوسہ آیا تھا۔ اللہ نے آپ کے دل میں یہ بات ڈال دی جس نے فرمایا۔

حق تعالیٰ نے ہرزمانہ میں اپنی حکمتِ بالغہ سے ایک خاصیت رکھی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہرزمانہ کے لوگوں کی راہ و رسم اور عادتیں الگ ہوتی ہیں۔ اور ان کے مزاج و طبیعت پچھلے لوگوں کے طبائع و اخلاق سے میل نہیں کھاتے کھوڑے لوگ اس سے مستثنیٰ ہوتے ہیں اور یہ ایک تجربہ کی بات ہے۔ ارادت کی اصل یہ ہے کہ مرید ماسوی اللہ سے منقطع اور مشغول مع اللہ ہو جائے۔ جیسا کہ کتب تصوف میں تفصیل کیا تھو درج ہے مشائخ متقدمین جب تک طالبِ ارادت میں انقطاعِ کلی نہ دیکھ لیتے بیعت کا ہاتھ نہیں بڑھاتے تھے۔ لیکن سلطان ابوسعید ابوالخیر کے عہد سے لے کر شیخ سیف الدین باخرزی کے زمانہ تک اور شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی کے وقت سے لے کر شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کے وقت تک کہ یہ سب حضرات سرآمد روزگار اور آیتہ من آیات اللہ تھے۔ خلقِ خدا کا ان کے



دروازوں پر ہجوم ہوا، اور ہر طبقہ کے لوگوں نے اڑدھام
 کیا۔ ان بندگانِ خدا نے آخرت کی ذمہ داریوں سے ڈر
 کر ان عاشقانِ خدا کا دامن تھامنا چاہا۔ اور ان مشائخ
 کبار نے بھی خاص و عام کو اپنی بیعت میں قبول کیا۔
 اور خرقہ توبہ و تبرک عطا کیا۔ ہر شخص ان محبوبانِ خدا کے
 معاملات پر اپنے کو قیاس نہیں کر سکتا کہ شیخ ابوسعید
 شیخ سیف الدین باخرزی، شیخ شہاب الدین سہروردی
 اور شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ اسرارہم
 نے جس طرح لوگوں کو مرید کیا۔ میں بھی مرید کروں۔ اس
 لئے کہ اگر خدا کا کوئی محبوب گناہگاروں میں سے ایک
 عالم کو اپنے دامنِ عاطفت میں لے لے تو لے سکتا ہے
 ————— اب میں تمہارے سوال کا جواب دیتا ہوں
 کہ میں مرید کرنے میں کیوں زیادہ احتیاط سے کام نہیں
 لیتا اور اپنا اطمینان نہیں کرتا، ایک وجہ تو یہ ہے کہ میں
 علی سبیل التواتر سن رہا ہوں کہ بہت سے مرید ہونے
 والے معصیت سے تائب ہو جاتے ہیں۔ نماز باجماعت
 ادا کرنے لگتے ہیں اور ادراد و نوافل میں مشغول ہو جاتے
 ہیں۔ اگر میں بھی شروع ہی سے اس بات کی شرط کروں
 کہ ان میں ارادت کی حقیقت یعنی القطاع کلی پایا جاتا

ہے کہ نہیں اور ان کی توبہ و تبرک کا خرقد جو خرقدہ ارادت کی جگہ پر ہی ہے، نہ دوں تو وہ خیر کی اس مقدار سے بھی جو ان اللہ کے بندوں سے وجود میں آ رہی ہے محروم ہو جائیں گے۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ بغیر اس کے کہ میرے دل میں خیال آئے یا میں اس کی درخواست اور التماس کروں یا کوئی وسیلہ اور سفارش اختیار کروں شیخ کامل و مکمل (شیخ بکیر) نے مجھے بیعت لینے کی اجازت دی میں دیکھتا ہوں کہ ایک مسلمان بڑی عاجزی و در ماندگی اور بڑی مسکنت و بے چارگی کے ساتھ میرے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے تمام گناہوں سے توبہ کی۔ میں یہ سمجھ کر کہ شاید اس کی بات سچ ہو، اس کو بیعت کر لیتا ہوں۔ خاص طور پر اس لئے کہ بہت سے معتبر لوگوں سے سنتا ہوں کہ بہت سے بیعت کرنے والے اس بیعت کی وجہ سے معاصی سے باز آ جاتے ہیں۔

اس بیعت و تعلق کا جس سے مسلمانوں کے ہر طبقہ کے لوگ

عمومی زندگی بہتر

۱۔ سیر الاولیاء ص ۲۴۶ و ص ۲۴۸ بحوالہ حسرت نامہ مولانا ضیاء الدین برنی ۱۲۔



یکساں مستفیض ہوتے۔ عام زندگی و معاشرت، لوگوں کے اخلاق و عادات، اشغال و اوقات اور اپنی حکومت سے لے کر اہل حرفہ تک کے حالات پر کیا اثر پڑا۔ اور دارالحکومت دہلی میں جو شوکت قوت، دولت و ثروت اور عیش و عشرت کا گہوارہ تھا۔ اور سارے ہندوستان کا مالِ غنیمت اور سیکڑوں ہزاروں برس کے خزانوں کے زرجواہر، صنایعوں کی مصنوعات اور ملک کے اطراف و جوانب کے تحائف و عجائبات روزانہ سیلِ رواں کی طرح وہاں اُمڈ رہے تھے۔ دینداری، خدا طلبی، عشقِ الہی توبہ و انابت اور رجوع الی اللہ، صفائی معاملات، راست گفتاری اور دیانتداری کی کیا کیفیت پیدا ہو گئی تھی اس کی تفصیل اُس عہد کے صاحبِ نظر اور معتبر مورخ ضیاء الدین برنی کی زبان سے سنئے۔ وہ سلطان علاء الدین خلجی کے زمانہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

”سلطان علاء الدین کے زمانہ کے مشائخ میں سے سجادۃ تصوف شیخ الاسلام نظام الدین، شیخ الاسلام علاء الدین اور شیخ الاسلام رکن الدین سے آراستہ تھا۔ ایک دنیا ان

۱۲ تاریخ فیروز شاہی کے اقتباس کا یہ ترجمہ سید صباح الدین عبدالرحمن ایم۔ اے (رفیق دار المصنفین) کی کتاب ”بزم صوفیہ“ سے حذوف و اختصار کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔ ص ۱۹۹ و ص ۱۲۰

کے انفاسِ متبرکہ سے روشن ہوئی اور ایک عالم نے ان کی بیعت کا ہاتھ پکڑا۔ اور ان کی مدد سے گناہگاروں نے توبہ کی۔ اور ہزاروں بدکاروں اور بے نمازیوں نے بدکاری سے ہاتھ اٹھالیا اور ہمیشہ کے لئے پابندِ نماز ہو گئے۔ اور باطنی طور پر دینی مشغلے کی طرف رغبت ظاہر کی۔ اور توبہ صحیح ہو گئی اور عبادتِ لازمہ اور متغیہ کا معمول ہو گیا۔ اور دنیا کی حرص و محبت جو انسانوں کے فوائد اور فرمانبرداری کی بنیاد ہے۔ ان مشائخ کے اخلاقِ حمیدہ اور ترک و تجرید کے معاملات کے دیکھنے سے دلوں سے کم ہو گئی۔ اور سالکوں کو نوافل اور وظائف کی کثرت اور اوصافِ عبودیت کی پابندی سے کشف و کرامات کی آرزو دل میں پیدا ہونے لگی اور ان بزرگوں کی عبادات و معاملات کی برکت سے لوگوں کے معاملات میں سچائی پیدا ہو گئی۔ اور ان کے مکالمِ اخلاق و مجاہدہ و ریاضت کے دیکھنے سے اللہ والوں کے دلوں میں اخلاق کے بدلنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ اور ان دینی بادشاہوں کی محبت اور اخلاق کے اثر سے خداوند تعالیٰ کے فیض کی بارش دنیا میں ہونے لگی، اور آسمانی مصیبتوں کے دروازے بند ہو گئے۔ اور ان کے زمانہ کے لوگ قحط و



و باکی مصیبت میں مبتلا اور گرفتار نہیں ہوتے۔ اور ان کی مخلصانہ اور عاشقانہ عبادت گزاروں کی برکت سے مغلوں کا فتنہ جو سب سے بڑا فتنہ تھا ایسا فرو ہوا اور یہ تمام ملائین اس قدر آوارہ و تباہ ہوئے کہ اس سے زیادہ تباہ نہیں ہو سکتے تھے۔ اور یہ تمام باتیں جو ان تینوں بزرگوں کے وجود سے ان کے معاصرین کو نظر آئیں، وہ شعارِ اسلام کی بلندی کا ذریعہ بن گئیں اور احکامِ شریعت و طریقت کو جو رولق و رواج حاصل ہوا اس کا کیا کہنا۔ کتنا عجیب زمانہ وہ تھا، جو سلطان علاء الدین کے آخری دسویں سال میں نظر آیا۔ ایک طرف سلطان علاء الدین نے ملک کی بہتری کے لئے تمام فحش اور ممنوع چیزوں کو اور فسق و فجور کے اسباب کو قہر و غلبہ، تعزیر و تشدد اور قید و بند سے روک دیا۔ اور مال جو دینی اور ملکی فساد کا ذریعہ اور ہوا پرستوں کیلئے گناہوں کا آلہ اور حریموں، بخیلوں اور تاجروں کے لئے سود، ذخیرہ اندوزی کا سامان اور اور فتنہ پردازوں کے لئے بغاوت کی استعداد اور نیکیوں کے لئے کبر، مفاخرت، غفلت اور کسمندی پیدا کرنے والا ہے۔ اور عبادت گزاروں کے لئے نسیان و فراموشی کا باعث ہے۔ سلطان علاء الدین ہر بہانہ سے کہ جو اس کو ملتا

مالداروں اور حکام سے سختی سے لے لیتا۔ اور بازار والوں کو کہ دنیا کی تمام قوموں میں سب سے زیادہ جھوٹ بولنے والی اور سب سے زیادہ فریب کرنے والی قوم ہے سچائی اختیار کرنے، سچائی کے ساتھ مال بیچنے اور سچ کہنے کے لئے خون خرابہ میں رکھتا تھا۔

دوسری طرف اسی زمانہ میں شیخ الاسلام نظام الدین نے بیعت کا عام دروازہ کھول رکھا تھا۔ اور گناہگاروں کو خرقہ پہناتے اور ان سے توبہ کراتے تھے اور اپنی مریدی میں قبول کرتے تھے۔ اور خاص و عام، عزیز و دولت مند بادشاہ و فقیر، عالم و جاہل، شریف و ذلیل، شہری و دیہاتی غازی و مجاہد، آزاد و غلام، سب کو طاقیہ، توبہ اور پاکی کی تسلیم دیتے تھے اور یہ تمام لوگ چونکہ اپنے کو شیخ کا مرید سمجھتے تھے بہت سے گناہوں سے باز آتے تھے اور اگر شیخ کے کسی مرید سے لغزش ہو جاتی تھی تو پھر از سر نو بیعت کر لیتے۔ اور توبہ کا خرقہ عطا کرتے تھے۔ اور شیخ کی مریدی کی شرم تمام لوگوں کو بہت سی ظاہری و باطنی برائیوں سے روک دیتی تھی اور عام طور پر لوگ تقلید و اعتقاد کی وجہ سے عبادت کی طرف رغبت کرتے تھے۔ مرد و عورت، بوڑھے جوان، بازاری، عامی، غلام



اور نوکر سب کے سب نماز ادا کرتے تھے۔ اور زیادہ تر مرید چاشت و اشراق کے پابند ہو گئے تھے۔ آزاد اور نیک کام کرنے والوں نے شہر سے غیاث پور تک چند تفریحی مقامات پر چبوترے قائم کر دیئے تھے۔ چھپر ڈال دیئے تھے۔ کنویں کھدوا دیئے تھے۔ پانی سے بھرے ہوئے گھڑے اور مٹی کے لوٹے رکھوا دیئے تھے۔ چٹائیاں بچھوا دی تھیں۔ ہر چبوترہ اور ہر چھپرے میں ایک چوکیدار اور ایک ملازم مقرر کر دیا تھا۔ تاکہ مرید اور لوہے کرنے والے نیک لوگوں کو شیخ کے آستانہ تک آنے جانے میں نماز ادا کرنے کے وقت وضو کرنے کے لئے کوئی تردد نہ ہو، اور چبوترہ اور چھپرے میں نفل پڑھنے والے نمازیوں کا ہجوم دیکھا جاتا تھا۔ ارتکابِ گناہ لوگوں کے درمیان کم ہو گیا تھا۔ اور اکثر آدمیوں کے درمیان چاشت، اشراق، اوابین، تہجد اور زوال کے وقت رکعاتِ نماز کی تحقیقات زیادہ تھی کہ ان نوافل میں ہر وقت کتنی رکعتیں ادا کرتے ہیں اور ہر رکعت میں کلامِ پاک کی کون سی سورۃ اور کون سی آیت پڑھتے ہیں۔ — پنجگانہ نمازوں اور ہر نفل سے فارغ ہونے کے بعد کون کون سی دعائیں آتی ہیں اکثر نئے مرید شیخ کے قدیم مریدوں سے غیاث پور کی

آمدورفت کے وقت پوچھتے تھے کہ شیخ رات کی نماز میں کتنی رکعتیں پڑھتے ہیں۔ اور ہر رکعت میں کیا پڑھتے ہیں اور عشاء کی نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کتنی بار درود بھیجتے ہیں۔ اور شیخ فریدؒ اور شیخ بختیارؒ رات دن میں کتنی بار درود بھیجتے تھے اور کتنی بار سورہ اخلاص پڑھتے تھے۔ نئے مرید شیخ کے قدیم مریدوں سے اسی قسم کے سوالات کرتے تھے۔ روزے، نوافل اور تقلیلِ طعام کے متعلق پوچھتے تھے۔

اس نیک زمانہ میں اکثر آدمیوں کو حفظِ قرآن کا ذوق پیدا ہو گیا۔ نئے مرید شیخ کے پُرانے مریدوں کی صحبت میں رہتے تھے، پُرانے مریدوں کو طاعت، عبادت، ترکِ تعلق، تصوف کی کتابوں کے پڑھنے، مشائخ کے اوصافِ حمیدہ اور ان کے معاملات کے بیان کرنے کے سوا کوئی دوسرا کام نہ تھا۔ دنیا اور دنیا داروں کا ذکر ان کی زبان پر نہیں آتا تھا۔ کسی دنیا دار کے گھر کی طرف اپنا رخ نہیں کرتے تھے۔ دنیا اور اہل دنیا کے میل جول کی حکایت نہیں سنتے تھے۔ اور اس کو عیب اور گناہ جانتے تھے کثرتِ نوافل اور اس کی پابندی کا معاملہ اس بابرکت زمانہ میں اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ بادشاہ کے محل میں



بہت سے امراء، سلاحدار، لشکری، شاہی نوکر شیخ کے مرید ہوتے تھے۔ اور چاشت و اشراق کی نمازیں ادا کرتے تھے۔ ایام بیض اور عشرہ ذی الحجہ کے روزہ رکھتے تھے اور کوئی محلہ ایسا نہیں تھا جس میں ایک مہینہ بیس دن کے بعد صلحا کا اجتماع نہیں ہوتا تھا۔ اور صوفیوں کی محفل سماع نہیں ہوتی تھی اور باہم گریہ و زاری نہیں کرتے تھے شیخ کے چند مرید تراویح کی نماز میں مسجدوں اور گھروں میں ختم قرآن کرتے، وہ لوگ جو مستقیم الحال ہو چکے تھے رمضان، جمعہ اور تہواروں کی راتوں میں قیام کرتے اور صبح تک بیدار رہتے۔ پلک کو پلک سے نہیں لگنے دیتے شیخ کے مریدوں میں سے بڑے درجہ کے مرید تمام سال رات کے ایک یا دو تہائی حصے تہجد کی نماز میں گزارتے۔ بعض عبادت گزار عشاء کی نماز کے وضو سے فجر کی نماز ادا کرتے۔ شیخ کے مریدوں میں سے چند آدمیوں کو میں جانتا ہوں کہ شیخ کے فیض نظر سے صاحب کشف و کرامات ہو گئے تھے۔ شیخ کے مبارک وجود ان کے انفاس کی برکت، ان کی مقبول دعاؤں کی وجہ سے اس ملک کے اکثر مسلمان عبادت، تصوف اور زہد کی طرف مائل اور شیخ کی ارادت کی طرف راغب ہو گئے تھے

سلطان علاء الدین اپنے تمام گھروالوں کے ساتھ شیخ کا معتقد اور مخلص ہو گیا تھا۔ خواص و عوام کے دلوں نے نیکی اختیار کر لی تھی۔ عہدِ علانی کے آخری چند سالوں میں شراب، معشوق، فسق و مجور، جوا، مناشی وغیرہ کا نام اکثر آدمیوں کی زبان پر نہیں آنے پایا۔ بڑے بڑے گناہ لوگوں کے نزدیک کفر کے مشابہ معلوم ہونے لگے تھے۔ مسلمان ایک دوسرے کی شرم سے سود خواری اور ذخیرہ اندوزی کے کھلم کھلا مرتکب نہیں ہو سکتے تھے۔ بازار والوں سے جھوٹ بولنے کم تولنے اور آمیزش کرنے کا رواج اٹھ گیا تھا۔ اکثر طالب علموں اور بڑے بڑے لوگوں کی رعیت جو شیخ کی خدمت میں رہتے تھے، تصوف اور احکام طریقت کی کتابوں کے مطالعہ کی طرف ہو گئی تھی۔ قوت القلوب، اجیاء العلوم ترجمہ اجیاء العلوم، عوارف، کشف المحجوب، شرح تعرف، رسالہ قشیری، مرصاد العباد، مکتوبات عین القضاة، لوائح و لوائح قاضی حمید الدین ناگوری، فوائد الفوائد، میر حسن سجری کے بہت سے خریدار پیدا ہو گئے تھے۔ زیادہ تر لوگ کتب فروشوں سے سلوک و حقائق کی کتابوں کے بارے میں دریافت کرتے تھے۔ کوئی پگڑھی ایسی نہ تھی جس میں مسواک اور کنگھی لٹکی نظر نہ



آتی تھی۔ صوفیوں کی کثرتِ خریداری کی وجہ سے لوٹے
اور چرمی طشت گراں ہو گئے تھے۔ حاصلِ کلام یہ کہ خداوند تعالیٰ
نے شیخ نظام الدینؒ کو پچھلی صدیوں میں شیخ جنیدؒ اور
شیخ بایزیدؒ کے مثل پیدا کیا تھا۔

توبہ، تجدیدِ ایمان اور اصلاح
حال کے اس عام ذوق و

عشق کا "روز بازار"

رحمان کے علاوہ جس سے دہلی کا کوچہ کوچہ متاثر ہو رہا تھا اور ایوان
شاہی اور "بام ہزار ستون" تک اس کی لہریں پہنچی تھیں۔ ایک
نئی تبدیلی یہ تھی کہ دماغی نخوت اور قلبی افسردگی کی اس دنیا میں
جہاں نائے و نوش اور "بعیش کوش" کے سوا عرصہ سے کوئی صدا بلند
نہیں ہوتی تھی۔ جذبۂ الہی کی ایک ہوا چلنے لگی اور عشق کا سودا عام
ہو گیا۔ ہر جگہ درد و محبت کا تذکرہ، حقیقت و معرفت کی باتیں اور
عارفانہ و عاشقانہ اشعار کی گونج تھی۔ امیر خوردمصنف سیرالاولیاء
نے خوب لکھا ہے کہ

محبت و عشق کے کاروبار کا زمانہ	کار محبت و عشق را روز
میں ایک بازار لگ گیا۔ لوگوں کو	بازار سے درجہاں پیدا
سماع کی حکایات کے سننے، اخیال	آمد سے

لہ تاریخ فیروز شاہی ضیاء الدین برنی ص ۲۴ و ۲۵

وخلق را در آن زمان راحت | و نیاز مندی، شفقت و نرمی
 جز حکایت سماع و اخلاص و نیاز | دلجوئی اور اہل دل کے قدموں
 مندی و شفقت و لینت و دل | پہ سر رکھ دینے کے علاوہ کسی
 دریافتن و سرور زیر پائے اہل دلان | اور بات سے راحت نہیں حاصل
 نہادن کارے دیگر نہ بود۔ | ہوتی تھی۔

خلفاء کی تربیت

اس سلسلہ ارشاد و تربیت اور طریقہ

عشق و محبت کو ہندوستان میں دور

دور تک پھیلانے اور دیر تک قائم رکھنے کے لئے آپ نے اپنے
 عالی استعداد، سراپا اخلاص، خلفاء کا بڑا اہتمام فرمایا۔ ان میں وہ سب
 اوصاف و کمالات پیدا کرنے کی کوشش فرمائی جو مشائخ کا ملیں
 کے لئے ضروری ہیں۔ ان سے مجاہدات کرائے۔ ان کے قلوب کی
 نگرانی کی۔ ان میں جو اعلیٰ استعداد رکھتے تھے لیکن زیورِ علم سے
 عاری تھے۔ ان کی تعلیم و تکمیل کا بند و بست کیا۔ ان میں سے جن کے
 دلوں سے ابھی تک بحث و مناظرے کا نشہ نہیں گیا تھا۔ ان کی اصلاح
 فرمائی۔ جو خلقِ خدا کی رہنمائی اور اجتماعی زندگی کے اہل تھے لیکن
 انھیں گوشہ نشینی، عزلت گزینی اور انفرادی عبادات و مجاہدات کا
 ذوق تھا۔ ان کو اجتماعی زندگی اختیار کرنے اور "خلقِ خدا کی جفا و قفا"

سہ سیر الاولیاء ص ۱۵۵



کو برداشت کرنے پر مجبور کیا۔ اصلاح و تربیت کا جو عالمگیر کام آپ کے پیش نظر تھا۔ اور اپنے خواص اصحاب سے دین کی دعوت کا جو کام لینا تھا۔ اس میں جو چیز خارج اور مزاحم نظر آتی۔ آپ نے اُس کو ترک کر دیا۔

سیر الاولیاء میں ہے کہ ایک دن بلند حیثیت کے دوستوں اور خدام نے جن کا وطنی تعلق اودھ سے تھا آپس میں طے کیا کہ سلطان المشائخ سے پڑھنے پڑھانے اور بحث و مذاکرہ کرنے کی اجازت طلب کریں۔ اگرچہ ان دوستوں میں سے ہر ایک عالم متبحر تھا لیکن سلطان المشائخ کے فیضِ صحبت سے یادِ حق میں مشغول تھا۔ مگر جس کام میں عمر گزار رہی تھی اس کا شوق بالآخر اس کا محرک ہوا۔ مولانا جلال الدین کو لوگوں نے آگے کیا اور خدمت میں حاضر ہوئے حضرت سلطان المشائخ پر یادِ الہی کی ایسی کچھ تجلی تھی کہ لوگوں کو بات کرنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ مولانا جلال الدین کو کچھ جرأت تھی۔ انھوں نے عرض کیا کہ حضرت اگر اجازت ہو تو اجاب کسی وقت بحث کر لیا کریں؟ سلطان المشائخ سمجھ گئے کہ یہ ان سب علماء کا عنذیہ ہے اور مولانا جلال الدین ان کے نائندہ ہیں۔ فرمایا کہ میں کیا کروں، مجھے ان سے تو دوسرا ہی کام لینا مقصود ہے۔

مولانا سید نصیر الدین محمود جو بعد میں حضرت خواجہ کے خلیفہ اعظم اور اصل جانشین ہوئے اور چراغِ دہلی کے نام سے ان کا نام تمام دنیا میں روشن ہے۔ اس بات کے بڑے خواہش مند تھے کہ وہ کہیں کسی جنگل یا پہاڑ پر بیٹھ کر خدا کی یاد کریں۔ انھوں نے ایک دن امیر خسرو کو واسطہ بنایا اور کہلوا یا کہ یہ ناچیزا ودھ میں رہتا ہے۔ خلق کے ہجوم سے اپنی مشغولیت میں فرق پڑتا ہے۔ اگر اجازت ہو تو میں کسی صحرا یا پہاڑ پر رہ کر فراغِ خاطر کے ساتھ خدا کی عبادت کروں۔ امیر خسرو نے جب یہ پیغام عرض کیا تو ارشاد ہوا۔

اور ابگو تر اور میان خلق می	ان سے کہدو کہ تم کو مخلوق
باید بود و جفا و قفائے	ہی کے در میان رہنا ہوگا اور
خلق می باید کشید و	مخلوق کی بے مروتی اور بے
مکافات آں ببدل	رخمی کو برداشت کرنا ہوگا
و ایشار و عطامی	اور اس کا بدلہ سخاوت و ایشار
باید کرد	سے دینا ہوگا۔

مولانا حسام الدین ملتانی نے خلافت کے بعد عرض کیا کہ اگر اجازت ہو تو شہر چھوڑ دوں اور کسی چشمہ کے کنارے سکونت اختیار کروں۔ اس لئے کہ شہر میں کنوؤں کا پانی ملتا ہے اور اس



سے وضو کرنے میں دل کو اطمینان نہیں ہوتا۔ ارشاد ہوا کہ نہیں شہر ہی میں رہو۔ اور ایک عام آدمی کی طرح رہو سہو۔ نفس چاہتا ہے کہ تم کو ایک آرام کی جگہ لے جائے اور ایسی جگہ رکھے کہ تمہیں جمعیت خاطر نصیب نہ ہو۔ جب تم شہر سے باہر چلے جاؤ گے اور کسی چشمہ کے کنارے سکونت اختیار کرو گے تو پھر ویسی اور شہری تمہارا سراع لگا کر پہنچیں گے اور مشہور ہوگا کہ فلاں درویش فلاں جگہ مقیم ہے اور پھر تمہارا وقت خراب کرے گا۔ اس کے علاوہ کنویں کے پانی میں علماء کا اختلاف ہے اور شریعت نے اس میں وسعت دی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت حواجرہ کو بڑے جلیل القدر خلفاء عطا فرمائے تھے جن

چشتی خالقائیں

میں سے حسب ذیل خاص طور پر مشہور و ممتاز ہوتے۔

- | | |
|------------------------------|----------------------------|
| (۱) مولانا شمس الدین بکھی | (۲) شیخ نصیر الدین محمود |
| (۳) شیخ قطب الدین منور انسوی | (۴) شیخ حسام الدین لمٹانی |
| (۵) مولانا غزالدین زراوی | (۶) مولانا علاء الدین نیلی |
| (۷) مولانا برہان الدین غریب | (۸) مولانا یوسف چندیری |

لے پانی بھرنے والوں کی بے احتیاطی کی وجہ سے اور کسی چیز کے گرنے پڑنے کے خیال سے۔ ۱۳

(۹) مولانا سراج الدین انجی سراج (۱۰) مولانا شہاب الدین

مریدین باختصاص

- | | |
|---------------------------------|-------------------------------|
| (۱) خواجہ ابوبکر | (۲) مولانا محی الدین کاشانی |
| (۳) مولانا وجیہ الدین پاتلی | (۴) مولانا فخر الدین مروزی |
| (۵) مولانا فصیح الدین | (۶) امیر خسرو |
| (۷) مولانا جلال الدین | (۸) خواجہ کریم الدین سمرقندی |
| (۹) امیر حسن علاء سنجر | (۱۰) قاضی شرف الدین |
| (۱۱) مولانا بہار الدین ادہی | (۱۲) شیخ مبارک گوپاموی |
| (۱۳) خواجہ موید الدین کروی | (۱۴) خواجہ تاج الدین داوری |
| (۱۵) خواجہ ضیاء الدین برنی | (۱۶) خواجہ موید الدین انصاری |
| (۱۷) خواجہ شمس الدین خواہر زادہ | (۱۸) مولانا نظام الدین شیرازی |
| (۱۹) خواجہ سالار | (۲۰) مولانا فخر الدین میرٹھی |

ان میں حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کو آپ نے خلافتِ خاص عطا فرمائی اور اپنا جانشین بنایا۔ وہ اپنے شیخ کے قدم بقدم تھے۔ انھوں نے نہایت مساعد حالات اور سخت سیاسی طوفانوں میں رشد و ہدایت کا یہ چراغ روشن رکھا۔ بقولِ شاعر

ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مرد رویش جس کو حق نے دیئے ہیں اندازِ خسروانہ



فیروز تعلق کی تخت نشینی اور اس سے ہندوستان کو جو فیوض و برکات پہنچے اس میں حضرت سید نصیر الدین ہی کا ہاتھ تھا۔ پورے تیس سال تک انھوں نے سلسلہ چشتیہ کا مرکزی نظام دار الحکومت دہلی میں بیٹھ کر کامیابی کے ساتھ چلایا۔ پھر اس چراغ سے دوسرا چراغ روشن ہوا۔ جس نے جنوبی ہند ہی نہیں سارے ہندوستان کو عشق و محبت کی حرارت سے گرم اور اس کی خوشبو سے معطر کر دیا یعنی حضرت سید محمد گیسو دراز مدفون گلبرگہ (م ۸۲۵ھ) جن کے متعلق کسی صاحب نظر نے کہا ہے۔

ہر کو مرید سید گیسو دراز شد

واللہ خلاف نبیت کہ او عشق باز شد

حضرت سید نصیر الدین چراغ دہلی کے دوسرے خلیفہ علامہ کمال الدین (م ۷۵۴ھ) تھے جن کی اولاد اور خلفاء نے اس سلسلہ کو اس صدی تک آب و تاب کیساتھ قائم رکھا۔ اس سلسلہ میں حضرت یحییٰ مدنی، شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی، مولانا شاہ نحر الدین دہلوی، خواجہ نور محمد ہاروی، شاہ نیاز احمد بریلوی اور خواجہ سلیمان تونسوی جیسے

۱۔ ملاحظہ ہو تاریخ فیروز شاہی۔ از سراج عمیف

۲۔ حضرت خواجہ سید محمد گیسو دراز کے حالات و کمالات کے لئے متقل تصنیف کی ضرورت ہے۔

اکابر و بزرگوار گزرے جنہوں نے عشق الہی کا بازار گرم رکھا اور لاکھوں
 بندگانِ خدا کے دلوں میں محبت الہی اور خدا طلبی کی آگ بھردی۔
 حضرت چراغِ دہلی کے خلفاء میں شیخ عبدالمتقدر کندی، شیخ احمد
 تھانیسری اور شیخ جلال الدین حسین بخاری معروف بمخدوم جہانیاں جہاں
 گشت خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان میں ہر ایک شیخ وقت اور مرجعِ خلاق تھا
 دہلی کی مرکزی خانقاہ کے بعد جس کی مسند ارشاد پر یکے بعد دیگرے
 دو شیخ اجل حضرت خواجہ نظام الدین اور حضرت سید نصیر الدین چراغ
 دہلی متکفل رہے۔ ہندوستان کے مختلف مقامات پنڈوہ، لکھنوتی، دولت آباد
 گلبرگہ، بدھان پور، زین آباد، ماٹو، احمد آباد، صفنی پور، مانک پور، سلون
 میں چشتی خانقاہیں قائم ہوئیں جنہوں نے صدیوں تک چراغ سے چراغ
 روشن رکھا۔ اور عشق و محبت، صدق و اخلاص، علو ہمت و عزیمت، خدمت
 خلق ایثار و قربانی، بذل و عطا، فقر و زہد، علم و معرفت کی شمع روشن رکھی
 اور ہندوستان کی فضا کو جس پر پے در پے مادیت اور غفلت کے حملے ہوتے
 رہے اور کسی وقت ایسا محسوس ہوا کہ سارا ملک تنکے کی طرح غفلت و تعیش
 کے سیلاب میں بہ جائے گا۔ اور متاعِ درد جس کشتی میں ہے وہ بھی عرق
 ہو جائے گی لیکن ان سوختہ سامانوں اور سوختہ دلوں نے اس متاع کی حفاظت

۱۔ ان بزرگوں کے مفصل حالات کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ مشائخ چشت
 از پروفیسر خلیق احمد نظامی۔



کی اور یہ آگ کہیں نہ کہیں سلگتی رہی۔ ان میں سے ہر خانقاہ اور اس کے دینی و اصلاحی کارناموں کے لئے ایک مستقل ضخیم کتاب درکار ہے۔ خاص طور پر بنگال میں شیخ علاء الحق پنڈویؒ حضرت نور قطب عالم پنڈویؒ

لے شیخ علاء الدین علاء الحق پنڈوی کا اصل نام عمر ہے۔ آپ کے والد سید لاہوری بنگال میں منصب وزارت پر فائز تھے شیخ علاء الحق حضرت محبوب الہی کے مشہور خلیفہ سراج الدین عثمان اودی معروف اخی سراج (م ۵۸ھ) کے خلیفہ اور پنڈوہ کی مشہور عالم چشتی خانقاہ کے بانی ہیں۔ سید اشرف جہانگیر سمنانی کچھوچھوی (م ۸۰۸ھ) آپ ہی کے خلیفہ ہیں۔ ۸۰۰ھ میں وفات پائی۔

۳ نور الدین احمد نام، نور الحق اور قطب عالم لقب، اپنے والد شیخ علاء الحق پنڈوی کے خلیفہ و جانشین تھے۔ اللہ تعالیٰ نے بڑی مقبولیت و مرجعیت عطا فرمائی۔ آپ کے زمانہ میں پنڈوہ کی خانقاہ ہندوستان کی سب سے بڑی چشتی خانقاہ تھی۔ مجاہدات، خدمتِ خلق اور بے نفسی و خود شکنی اور علوم و حقائق میں مرتبہ عالی رکھتے تھے۔ خلفاء میں حضرت حسام الدین حسام الحق انکیوری (م ۸۵۳ھ) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ جن کی ذات سے بہار اور اودھ میں سلسلہ چشتیہ نظامیہ کی بڑی اشاعت ہوئی۔

۸۱۸ھ میں وفات پائی، تصنیفات میں مونس الفقراء انیس الغرباء اور مکاتیب کا مجموعہ یادگار ہے۔ ملفوظات و مکتوبات میں منصب کی سادگی اور تاثیر ہے۔ (ملاحظہ ہو نذرۃ الخواص)

دکن میں شیخ برہان الدین عزیزب ان کے خلفاء میں شیخ زین الدین
شیخ یعقوب، شیخ کمال الدین ناگوری فتنی پھر ان کے خلیفہ قطب عالم
عبداللہ بن محمود بن الحسین (۸۵۴ھ) اور ان کے فرزند و خلیفہ شاہ عالم
گجراتی نے یورپائے فقر پر بیٹھ کر اپنے اپنے زمانہ میں بادشاہی کی ہے۔

مالوہ میں شیخ وجیہ الدین یوسف، شیخ کمال الدین مولانا معیت الدین
وغیرہ اودھ میں حضرت شیخ محمدینا لکھنوی، شیخ سعد الدین قدوائی
نیر آبادی، شیخ عبدالصمد عرف صفی الدین صفی پوری، شیخ حسام الحق
مانک پوری، شیخ عبدالکریم مانک پوری اور شاہ پیر محمد سلونی اور شاہ پیر محمد
لکھنوی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہ سب سلسلہ نظامیہ کے شیوخ کبار ہیں۔
جنہوں نے اپنی اپنی جگہ ارشاد و ہدایت اور تعلیم و تربیت کا سلسلہ
سرگرمی کے ساتھ جاری رکھا۔ ان سے فیض پانے والوں کی تعداد کو خدا
کے سوا کوئی شمار نہیں کر سکتا۔

ان خالص حیشتی خانتقاہوں کے علاوہ ہندوستان میں جا بجا ایسی
نامور خانتقاہیں بھی قائم تھیں۔ جن کے مشائخ کبار اور بانیان سلسلہ کو
سلسلہ نظامیہ کے مشائخ چشت سے نسبت خاص اور اجازت عام حاصل
تھی اور وہ حیشتی ذوق اور نسبت کے حامل تھے۔ ان میں سے جو نیورکی
خانتقاہ رشیدی اور پھلواری شریف کی خانتقاہ مجیبی خاص طور پر قابل
ذکر ہیں۔ خانتقاہ رشیدی کے بانی حضرت علامہ محمد رشید جون پوری
دم ۱۰۸۳ھ) کو اپنے شیخ طیب بنارسی اور سید احمد الحلیم حسینی مانپوری



سے سلسلہ چشتیہ نظامیہ میں اجازت حاصل تھی۔ خانقاہ مجیبی کے بانی
 حاج العارفین حضرت شاہ محمد نجیب اللہ قادری کچھلواروی (م ۱۱۹۱ھ)
 کو سلسلہ چشتیہ نظامیہ اپنے پیر بیعت حضرت خواجہ عماد الدین قلندر اور
 حضرت شاہ معین الدین کر جوئی کے واسطے سے پہنچا ہے۔ شاہ
 معین الدین کر جوئی حضرت شیخ پیر محمد سلونی کے خلیفہ تھے۔
 آخر میں حضرت حاجی امداد اللہ ہاجر مکی کی ذات سلسلہ نظامیہ
 وصابریہ اور ان کی خصوصیتوں اور بہکتوں کی جامع تھی۔ حضرت
 حاجی صاحب کو سلسلہ نظامیہ سے نسبت حضرت شیخ عبدالقدوس
 گنگوہی کے طریق سے حاصل تھی۔ جن کو حضرت درویش بن محمد
 قاسم اودھی سے سلسلہ نظامیہ میں اجازت تھی۔ حضرت درویش کو
 تین طریقوں سے سلسلہ نظامیہ پہنچا تھا۔

۱۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو "تذکرۃ المرشید" ج ۲ (ص ۱۰۷)

باب ششم

حضرت خواجہ کی تعلیم و تربیت کے اثرات

آپ کے خلفاء کی دینی و اصلاحی خدمات

حضرت سلطان المشائخ نے اپنے خلفاء اور مریدین کی بڑے اہتمام اور توجہ سے تربیت فرمائی تھی۔ سلطان علاء الدین خلجی کے امراء دربار اور ارکان سلطنت میں سے ایک بڑے عہدہ دار خواجہ موید الدین تھے۔ ان کو حضرت خواجہؒ سے تعلق پیدا ہو گیا۔ اور یہ تعلق اتنا بڑھا کہ ان کی طبیعت "سرکار دربار" سے اچھا ہو گئی۔ اور وہ حضرت خواجہؒ کی خدمت میں رہ پڑے۔ سلطان ان کا بڑا قدر دان تھا۔ اور ان کی ضرورت محسوس کرتا تھا۔ اس نے ایک حاجب کے ذریعہ حضرت خواجہؒ سے شکایت کی اور کہا کہ حضرت ہر ایک کو اپنا جیسا بنا نا چاہتے ہیں حضرت خواجہؒ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ اپنا جیسا کیا۔ اپنے سے بہتر۔ یہ الاولیاءؒ



حضرت خواجہ کی صحبت و تربیت سے صرف عبادت و ریاضت کا ذوق اور اپنی اصلاح و ترقی ہی کی فکر نہیں پیدا ہوتی تھی بلکہ دعوت و تبلیغ کا جذبہ، امر بالمعروف، نہی عن المنکر کی ہمت اور حوصلہ، سلاطین و وقت کے سامنے کلمہ حق کہنے کی جرأت اور بے خوفی و شجاعت بھی پیدا ہوتی تھی۔ اور یہ خدا کے نام اور مردان خدا کی صحبت کا لازمی نتیجہ ہے جس دل میں اللہ کا خوف سما جائے گا۔ اس دل سے غیر اللہ کا خوف قدرتی طور پر نکل جائے گا۔ اور جو دل طمع دنیا سے آزاد ہو جائے گا اس پر کسی کا رعب اور اس کو کسی سے ہراس نہیں ہو سکتا جس پر خالق کی عظمت اور مخلوق کی صحیح حیثیت کا انکشاف ہو گیا۔ وہ سلاطین عالم کے کڑو فرماں کے درباروں کے تزک و احتشام اور ان کے غلاموں اور افسروں کی صف بندیوں اور "لگاہ روبرو" اور "دور باش" کو بچوں کے کھیل اور گڑبیلوں کے گھروندوں سے زیادہ وقعت نہیں دے سکتا اور جاہ و جلال کی کسی نمائش کے موقع پر کلمہ حق کہنے سے کبھی باز نہیں رہ سکتا۔ یہی توحید و تجرید کا طبعی نتیجہ، حقیقی تصوف کا خاصہ اور مردان خدا اور درویشان کامل کا شیوہ ہے۔

دارا و سکندر سے وہ مرد فقیر ادلی ہو جس کی فقیری میں بوئے اسد اللہی
آئین جواں مرداں حق گوئی و بیباکی اللہ کے شیروں کو آتی نہیں رو باہی
حضرت خواجہ کے تربیت یافتہ خدام و مریدین نے اس

”اس اللہی“ اور اس حق گوئی و بیباکی کے ایسے نمونے پیش کئے جن کی نظیر ملنی آسان نہیں۔

سلاطین وقت سے بے عیبی اور حق گوئی کے نمونے

سلطان محمد ثقلق کے شوکت و جبروت سے تاریخ کا ہر طالب علم واقف ہے۔ سلطان کا ایک مرتبہ ہالنسی کے پاس سے گزر رہا۔ وہاں سے چار کوس کے فاصلہ پر ہنسسی مقام میں خیمہ شاہی و خرگاہ نصب ہوا۔ سلطان نے مخلص الملک نظام الدین نذر باری کو جو اپنے ظلم و قسوت میں اس زمانہ میں مشہور تھا۔ ہالنسی کے حصار کے معائنہ کے لئے بھیجا۔ وہ جب حضرت شیخ قطب الدین منور دہلیہ حضرت شیخ جمال الدین ہانسوی و خلیفہ حضرت سلطان المشائخ کے مکان کے پاس پہنچا تو دریافت کیا کہ یہ مکان کس کا ہے؟ لوگوں نے کہا شیخ قطب الدین منور کا جو حضرت سلطان المشائخ کے خلیفہ ہیں۔ کہا کہ عجیب بات ہے کہ بادشاہ اس جوار میں آئے اور شیخ اس کے سلام کو حاضر نہ ہوں؟ مخلص الملک نے واپسی پر سب کیفیت عرض کی۔ اور یہ بھی کہا کہ سلطان المشائخ کے ہالنسی میں ایک خلیفہ ہیں جو جہاں پناہ کے سلام کے لئے حاضر نہیں ہوتے۔ بادشاہ کو یہ سن کر غصہ آیا اسی وقت حسن سربرہنہ کو جو ایک بڑا مغرور و جاہل شخص تھا شیخ قطب الدین کو لانے کے لئے بھیجا۔ حسن سربرہنہ جب

مکان کے قریب پہنچا تو تنہا پیادہ پاشیخ کی دہلیز میں آکر عاجزانہ طریقے پر بیٹھ گیا۔ شیخ نے بلایا۔ حسن نے جا کر عرض کیا کہ آپ کی بادشاہ کے یہاں طلبی ہے۔ فرمایا کہ اس میں مجھے کچھ اختیار ہے یا نہیں؟ اس نے کہا مجھے فرمانِ سلطانی ہے کہ میں آپ کو بہر حال لے آؤں۔ شیخ نے فرمایا الحمد للہ کہ میں اپنے اختیار سے نہیں جا رہا ہوں۔ پھر گھر والوں کی طرف رخ کیا اور فرمایا کہ تم کو خدا کے سپرد کیا۔ یہ کہا اور مصلیٰ کاندھے پر ڈالا لاکھڑی ہاتھ میں لی اور پیادہ پاروانہ ہو گئے۔ حسن نے سواری کے لئے عرض کیا۔ فرمایا نہیں، مجھ میں قوت ہے۔ میں پیدل چل سکتا ہوں جب منہی پہنچے تو سلطان کو خبر ہوئی۔ سلطان نے حکم دیا کہ دہلی چلیں دہلی پہنچ کر دربار شاہی میں طلب کیا۔ شیخ نے فیروز شاہ سے جو اس زمانہ میں نائب باربار تھے کہا کہ ہم فقیر لوگ ہیں بادشاہوں کی مجلس کے آداب سے واقف نہیں۔ جیسا آپ کا مشورہ ہو ویسا کیا جاتے۔ فیروز نے جو فقیر دوست اور صحیح الاعتقاد شخص تھا کہا کہ لوگوں نے آپ کے متعلق بادشاہ کے کان بہت بھرے ہیں۔ اگر آپ کچھ تعظیم اور تواضع سے کام لیں تو بہتر ہے۔ ایوانِ شاہی کی دہلیز میں قدم رکھا تو امرار و ملوک اور نقیب و چاؤش دورو یہ کھڑے تھے۔ صاحبزادہ نور الدین جو ہالسی سے ہرکاب آئے تھے۔ کم عمر تھے اور انھوں نے کبھی بادشاہوں کی بارگاہ دیکھی نہیں تھی۔ ان پر ایک ہیبت سی طاری ہوئی شیخ قطب الدین منور نے ان سے پکار کر کہا کہ "بابا نور الدین العظمتہ والکبریاء اللہ

صاحبزادہ کا بیان ہے کہ یہ سنتے ہی میرے اندر ایک قوت پیدا ہوئی۔ سارا رعب جاتا رہا۔ اور جو امرار و ملوک وہاں کھڑے تھے وہ مجھے بالکل بکریوں کی طرح معلوم ہونے لگے۔ جب سلطان کو یہ اندازہ ہوا کہ شیخ آرہے ہیں تو وہ کھڑا ہو گیا اور کمان ہاتھ میں لے کر تیر اندازی میں مشغول ہو گیا۔ شیخ قریب آئے تو اس نے خلاف معمول تعظیم کی اور مصافحہ کیا۔ شیخ نے بہت مضبوطی سے بادشاہ کا ہاتھ پکڑا۔ بادشاہ نے کہا کہ میں آپ کے جوار میں پہنچا، آپ نے میری کوئی تر بیت نہ فرمائی، اور اپنی ملاقات سے عزت نہ بخشی؟ شیخ نے فرمایا کہ یہ درویش اپنے کو اس کا اہل نہیں سمجھتا کہ بادشاہوں سے ملاقات کرے۔ ایک کونے میں پڑا ہوا بادشاہ اور اہل اسلام کی دعا گوئی میں مصروف ہے۔ اس کو معذور سمجھا جائے۔ بادشاہ بہت متاثر ہوا۔ اور اپنے بھائی فیروز شاہ سے کہا کہ شیخ کی جیسی مرضی ہو ویسا کرو۔ شیخ منور نے فرمایا کہ مجھ فقیر کا مقصود و مطلوب یہی ہے کہ اپنے دادا اور باپ کے گوشہ عافیت میں واپس جائے۔ فیروز شاہ نے اس کی تعمیل کی۔ شیخ کی واپسی کے بعد بادشاہ نے ایک امیر سے کہا کہ مجھے جن بزرگوں سے مصافحہ کرنے کا اتفاق ہوا ہے۔ جس نے مجھ ہاتھ ملایا ہے اس کے ہاتھ میں کپکپی تھی۔ لیکن شیخ منور نے اتنی مضبوطی سے مصافحہ کیا کہ ان پر ذرا اثر نہیں معلوم ہوتا تھا۔



بادشاہ نے فیروز شاہ اور مولانا ضیاء الدین برنی کو ایک لاکھ تنکے کے ساتھ شیخ منور کی خدمت میں بھیجا۔ شیخ نے فرمایا: بگو ذی اللہ کہ یہ درویش ایک لاکھ تنکے قبول کرے۔ انھوں نے واپس آکر سلطان سے عرض کیا۔ سلطان نے کہا کہ اگر ایک لاکھ نہیں قبول کرتے تو پچاس ہزار پیش کرو۔ شیخ نے اس کو بھی قبول نہ کیا۔ سلطان نے فرمایا اگر شیخ یہ بھی قبول نہ کریں گے تو خلقت مجھے کیا کہے گی یہاں تک کہ بات دو ہزار تک پہنچی۔ فیروز شاہ اور مولانا ضیاء الدین نے عرض کیا کہ اس سے کم کا ہم بادشاہ کے سامنے تذکرہ نہیں کر سکتے۔ شیخ نے فرمایا کہ سبحان اللہ! درویش کو تو دو سیر چاول دال اور ایک دانگ کا گھی کافی ہے۔ وہ ان ہزاروں روپیوں کو کیا کرے گا۔ بٹری کوششوں اور حیلوں سے یہ کہہ کر کہ بادشاہ درپے آزار ہو جائے گا۔ آپ نے وہ دو ہزار تنکے قبول کئے۔ اور وہ بھی اپنے برادرانِ طریقت اور اہل حاجت میں تقسیم کر کے ہانسی واپس آ گئے۔

جس زمانہ میں سلطان محمد تغلق نے دہلی کی آبادی کو دیوگیر منتقل ہو جانے کا حکم دیا۔ اس زمانہ میں اس نے عزم کیا کہ ترکستان اور

لہ تشکایا ننگار اس عہد میں ہندوستان کا روپیہ تھا۔ اس میں ایک تولہ چاندی ہوتی تھی۔ یہ ترکی زبان کا لفظ ہے۔ اس کے معنی سفید کے ہیں۔ یعنی تقریبی سکہ۔

خراسان کو بھی اپنے قبضے میں لائے اور چنگیز خاں کی اولاد کا قلع قمع کرے۔ اسی زمانہ میں حکم ہوا کہ دہلی اور اطرافِ دہلی کے تمام صدور و اکابر حاضر ہوں، بڑے بڑے خیمے نصب کریں۔ ان خیموں میں منبر رکھے جائیں اور ان منبروں پر چڑھ کر حضرات علماء تقریریں کریں اور جہاد کی ترغیب دیں۔ اس روز حضرت خواجہ نظام الدینؒ کے خلفاء خاص مولانا فخر الدین زراوی، مولانا شمس الدین بختی اور شیخ نصیر الدین محمود کی بھی طلبی ہوئی۔ شیخ قطب الدین دیر جو حضرت سلطان المشائخ کے ایک راسخ الاعتقاد مرید اور مولانا فخر الدین زراوی کے شاگرد تھے۔ مولانا فخر الدین کو سب سے پہلے بارگاہِ سلطانی میں لائے۔ مولانا کو سلطان کی ملاقات سے بہت اجتناب تھا۔ کہی بار فرمایا کہ میں اپنے سر کو اس شخص کے دربار میں کٹا ہوا اور پڑا ہوا دیکھتا ہوں، یعنی میں کلمہ حق کہنے سے باز نہیں رہوں گا۔ اور یہ شخص مجھے معاف نہیں کرے گا۔ جب مولانا سراپردہ سلطانی میں داخل ہوئے تو شیخ قطب الدین دیر نے مولانا کی جوتیاں اٹھالیں اور خدمت گاروں کی طرح بغل میں لیکر کھڑے ہو گئے۔ سلطان نے ان سے کچھ نہیں کہا اور مولانا فخر الدین سے بات چیت میں مشغول ہو گیا۔ سلطان نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ میں

۱۲۔ دیر کا عہدہ سکریٹری کا سمجھنا چاہیے۔



جنگیز خاں کی اولاد کا قلع قمع کروں۔ آپ اس کام میں ہمارا ساتھ
 دیں گے؟ مولانا نے فرمایا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰی سلطان نے کہا یہ
 شک کا کلمہ ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ مستقبل کے متعلق ایسا ہی کہا
 جاتا ہے۔ سلطان نے یسٹنکر بیچ و تاب کھایا اور کہا کہ ہمیں کچھ نصیحت
 کیجئے؟ مولانا نے فرمایا کہ غصہ دباؤ۔ سلطان نے کہا کون سا غصہ
 مولانا نے فرمایا غَضَبٌ سَبِیْعِی (درندوں والا غصہ) اس پر سلطان
 کو ایسا غصہ آیا کہ چہرہ پر ظاہر ہو گیا۔ مگر کچھ کہا نہیں۔ کہا کہ کھانا
 لاؤ۔ خاصہ شاہی لگا۔ سلطان اور مولانا دونوں ایک ہی پلیٹ میں
 کھا رہے تھے۔ مولانا ایسی ناگواری کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے کہ
 معلوم ہوتا تھا کہ وہ سلطان کے ساتھ ہم پیالہ ہونا پسند نہیں
 کرتے۔ سلطان اور زیادہ اظہارِ تعلق کے لئے ہڈی سے گوشت
 نکال نکال کر مولانا کے سامنے رکھتا تھا۔ مولانا ہڈی ناگواری کے
 ساتھ تھوڑا تھوڑا کھاتے تھے، پھر دسترخوان بڑھایا گیا اور سلطان
 نے مولانا کو رخصت کیا۔ رخصت کے وقت ایک اوننی پوشاک
 اور ایک روپیہ کی تھیلی پیش کی۔ لیکن اس سے پہلے کہ خلعت اور
 کیسہ مولانا کے ہاتھ میں آئے، شیخ قطب الدین دبیر نے ہاتھ
 بڑھا کر ان کو لے لیا۔ ان کے رخصت ہونے کے بعد سلطان نے
 شیخ قطب الدین دبیر سے کہا کہ اے فریبی آدمی تو نے یہ کیا
 حرکت کی۔ پہلے فخر الدین کی جوتیاں اپنے بغل میں لیں پھر ان

کی خلعت اور کیسہ سنبھال لیا۔ اور اس کو میری تلوار سے بچا لیا اور بلا اپنے سر لے لی۔ شیخ قطب الدین دیر نے کہا کہ مولانا فخر الدین میرے استاد اور میرے مرشد کے خلیفہ ہیں۔ میرے لئے مناسب تو یہ تھا کہ میں ان کی جوتیاں تعظیماً سر پہ رکھتا بغل میں لینا تو کوئی بڑی بات نہیں، اور یہ خلعت اور کیسہ کیا بڑی چیز ہے؟ سلطان نے کہا کہ ان کفر آمیز عقیدوں کو چھوڑ دو، ورنہ میں قتل کر دوں گا۔ اخیر وقت جب مولانا فخر الدین زرا دی کا ذکر سلطان کی مجلس میں آتا تو سلطان ہاتھ مل کر کہتا کہ افسوس فخر الدین میری خوں آشام تلوار بچ گئے۔

مشاریحِ چشت نے
اگرچہ سلاطین وقت

اسلامی سلطنت کی رہنمائی و نگرانی

سے بے تعلق اور ”سرکارِ دربار“ سے دور رہنے کا فیصلہ کیا تھا اور اس کو اپنے اور اپنے پورے سلسلہ کے لئے دائمی اصول بنا دیا تھا۔ لیکن وہ سلاطین وقت کی رہنمائی و نگرانی سے غافل نہیں تھے اور جب کبھی ان کو صحیح مشورہ یا کسی بہتر انتخاب یا اپنا روحانی اثر استعمال کرنے کا موقع ملتا تو وہ اس زریں موقع کو کبھی ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔ ہندوستان کی مرکزی سلطنت کے متعدد فرمانروا اور صوبوں



کی خود مختار سلطنتوں کے متعدد حکمران ان مشائخ چشت سے عقیدت و محبت کا تعلق رکھتے تھے اور اس تعلق سے بہت سے مفاسد کا ازالہ بہت سے منکرات کا سدباب اور بہت سے احکام شریعت اور عدل گستری اور خلق پروری کا رواج ہوا۔

ہندوستان کے سلاطین میں سلطان فیروز تغلق کو اپنی حسن سیرت، نیک نفسی، رعیت پروری، رحم دلی، امن پسندی، رفاہ عامہ ازالہ مظالم اور تبلیغ اسلام کے ذوق، مدارس کے قیام وغیرہ میں جو امتیاز و خصوصیت حاصل تھی۔ اس میں مشکل ہی سے ہندوستان کا کوئی دوسرا فرمانروا اس کا سہیم و شریک ہوگا۔ سراج عقیف کی تاریخ فیروز شاہی سے اس بادشاہ کے تعمیری کارناموں اور اس کے زمانہ کی خیر و برکت، امن و امان اور سرسبزی کا کچھ اندازہ ہو سکتا ہے۔

تاریخ فرشتہ کا مصنف لکھتا ہے۔

وہ ایک فاضل، منصف	او بادشاہ ہے بود فاضل
مزاج، شریف و مہربان، رحم	و عادل و کریم و حسیم
دل و بردبار بادشاہ تھا۔	و حلیم و رعیت
رعیت اور فوج سب اس	و سپاہی از و راضی بودند
سے راضی تھی۔ کسی کو اس	و بیچ کس در عہد
کے عہد حکومت میں ظلم کرنے	او یارائے ظلم نہ

داشت۔^۱ کی مجال نہ تھی۔

مصنف نے اس کے آئینِ حکومت کی تین بڑی خصوصیتیں لکھی ہیں۔ اس نے کسی مسلمان یا ذمی کی سیاست و تعزیر نہیں کی، انعامات عظیموں اور تالیفِ قلب کی وجہ سے لوگوں کو سیاست کی مزورت نہیں رہی۔

۲۔ خراج و محاصل کو رعایا کی استطاعت کے مطابق وصول کیا۔ اضافہ اور توفیر کو جو سلاطینِ ماضی کا دستور تھا موقوف کیا۔ رعایا کے بارے میں کسی مفسد کی شکایت کی سماعت نہیں کی۔ اس کی بدولت ملک آباد اور رعایا مرفہ الحال رہی۔

۳۔ حکومت کے عہدوں اور علاقوں کی صوبہ داری پر دیندار و خدائرس لوگوں کو مامور کیا۔ کسی فساد انگیز و بد نفس کو عہدہ نہیں دیا۔ النَّاسُ عَلَى دِينِ مَلُوكِهِمْ کے اصول کے مطابق احکام و امراء اور کارپردازانِ حکومت نے بھی اس کی پیروی کی۔^۲ لیکن بہت سے لوگوں کو یہ نہ معلوم ہو گا کہ فیروز شاہ کی تخت نشینی اور اس کے انتخاب میں خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی

۱ تاریخ فرشتہ (جلد اول) ص ۲۷۸

۲ تعزیر و تعذیب کے وہ نئے نئے طریقے جو سلاطین سابق نے ایجاد کئے تھے۔

۳ تاریخ فرشتہ (جلد اول) ص ۲۷۱



کا خاص ہاتھ اور اس کی فیروز مندی اور کامیابیوں میں ان کی دعاؤں اور توجہات کا بہت بڑا حصہ تھا۔

سراج عقیف لکھتے ہیں۔

جب سلطان محمد تغلق ٹھٹھڑ ملک	چوں سلطان محمد دینال طغی در
طغی کی بغاوت فرو کرنے گیا	ٹھٹھڑ رفت خدمت شیخ نصیر الدین
ہوا تھا۔ حضرت شیخ نصیر الدین	را برابر خود برد چوں سلطان
کو اپنے ساتھ لے گیا تھا سلطان	محمد در ٹھٹھڑ نقل کرد و سلطان فیروز
کا جب انتقال ہوا اور سلطان	شاہ در بادشاہی نشست
فیروز شاہ در بادشاہی میں بیٹھا۔	خدمت شیخ نصیر الدین بر سلطان
حضرت شیخ نصیر الدین نے	فیروز شاہ پیغام کردہ کہ بایں
فیروز شاہ کو پیغام بھیجا کہ	خلق عدل و انصاف خواہی
خدا کی اس مخلوق کے ساتھ	کرد و یا برائے این مشتے مکینا
تم عدل و انصاف کرو گے	والی دیگر از اللہ تبارک و تعالیٰ
یا میں ان عزیزوں کے لئے	التماس کردہ آید، سلطان
اللہ سے کوئی دوسرا حاکم	فیروز جواب فرستاد کہ بانبندگان
مانگوں؟ سلطان فیروز نے	خدائے تعالیٰ حلم و رزم و
جواب دیا کہ "بابندگان	اتفاق کنم، چوں خدمت

۱۷ تاریخ فرشتہ ص ۲۵۹ (ج ۱)

شیخ ابن لفظ شنید بر سلطان
فیروز جواب فرستاد اگر
با خلق این چنین خلق
خواہی کرد، ماہم برائے
تو از اللہ تبارک و تعالیٰ
چہرل سال ملک خواستہ
ایم، عاقبت ہم چناں
شد، سلطان فیروز
تا چہرل ساں ملک
راندہ

خدائے تعالیٰ حلم و رزم و
اتفاق کنم۔ جب حضرت
شیخ نے یہ جواب سنا تو کہلوا
بھیجا کہ اگر مخلوق کے ساتھ
اسی طرح معاملہ کرو گے تو میں
نے اللہ تعالیٰ سے تمہارے لئے
چالیس سال مانگ لیتے ہیں اور
واقعہ بھی یہی ہے کہ سلطان
فیروز نے چالیس سال تک
حکومت کی۔

سلطان محمد شاہ بہمنی (۷۵۹، ۷۶۴، ۷۶۵ھ) کو تمام مشائخ دکن نے
بادشاہ تسلیم کر لیا تھا اور اس کے ہاتھ پر حاضرانہ اور غائبانہ بیعت
کر لی لیکن حضرت شیخ برہان الدین عزیزب کے خلیفہ و جانشین حضرت
شیخ زین الدین (م ۸۰۱ھ) نے اس بنا پر انکار کر دیا کہ بادشاہ
شراب نوشی اور منہیات شرعی کا مرتکب ہے اور فرمایا۔
سزاوار پادشاہی خلق کسے خلق خدا پر حکومت کرنے کا
ہست کہ در حفظ شعار اہل وہ شخص ہے جو شعار اسلام

۲۸ تاریخ فیروز شاہی ص ۲۸



ملت محمدیٰ کو شدیدہ | کی حفاظت میں کوشش
 ستر و علانیۃً پیامون | کرے اور خلوت و جلوت کسی
 منا ہی نہ گردد۔ | حالت میں بھی ممنوعات
 شرعی کے قریب نہ جائے۔

۷۷ھ میں جب سلطان دولت آباد میں فاتحانہ داخل
 ہوا تو حضرت شیخ کو پیغام بھیجا کہ یا تو آپ میرے دربار میں
 حاضر ہوں یا میری خلافت کی تحریک اپنے دست خاص کی میرے
 پاس بھیجیں۔ شیخ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ ایک مرتبہ کسی تقریباً
 سے ایک عالم، ایک سید اور ایک ہجڑا کافروں کے ہاتھ پکڑ گئے
 انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ یہ تینوں بت خانہ میں جائیں جو بت کا
 سجدہ کرے گا اس کی جان بخشی ہوگی۔ اور جو انکار کرے گا وہ قتل
 کر دیا جائے گا۔ پہلے عالم کو لے گئے۔ انہوں نے قرآن کی رخصت
 پر عمل کیا۔ اور بت کا سجدہ کر کے اپنی جان بچالی۔ سید نے عالم
 کی تقلید کی، جب ہجڑے کی باری آئی تو اس نے کہا میری تمام
 زندگی ناشائستہ کاموں میں گذری۔ میں نہ عالم ہوں نہ سید کہ ان
 میں سے کسی فضیلت کی پناہ میں ایسا کام کروں، اس نے قتل ہو جانا

لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تَقٰوًا (آل عمران، رکوع ۳) مگر ایسی صورت میں کہ تم
 ان سے کسی قسم کا (قوی) اندیشہ رکھتے ہو۔

منظور کر لیا اور بت کا سجدہ نہیں کیا۔ میرا قصہ بھی اسی ہجڑے کے قصہ سے مطابقت رکھتا ہے۔ میں تمہارے ہر قسم کے ظلم کو برداشت کروں گا۔ لیکن نہ دربار میں حاضر ہوں گا اور نہ تمہارے ہاتھ پر بیعت کروں گا۔ بادشاہ کو سخت غصہ آیا اور شہر سے نکل جانے کا حکم دیا۔ شیخ نے بلا توقف اپنی جائے نماز کا ندھے پر ڈالی، اور شیخ برہان الدین کے مقبرے میں جا کر ان کی قبر کی پانٹی اپنی لاکھی گاڑ دی اور جائے نماز بچھا کر بیٹھ گئے۔ اور کہا کہ اب کوئی مرد ہو تو مجھے اپنی جگہ سے ہلائے۔ بادشاہ نے جب شیخ کی یہ مصیبت اور استقامت دیکھی تو پشیمان ہوا۔ اور اپنے ہاتھ سے یہ مصرع کاغذ پر لکھ کر صدر شریف کے ہاتھ بھیجا۔

”من زان توام توازل من باش“

شیخ نے فرمایا کہ اگر سلطان محمد شاہ غازی شریعت کے طور و طریق کی حفاظت و ترویج کی کوشش کرے اور ممالک محروسہ سے شراب خانے یک قلم اٹھادے، اپنے باپ کی سنت پر عمل کرے اور لوگوں کے سامنے شراب نہ پیئے، اور قضاة و علماء و صدور کو حکم دے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں سعی بلیغ سے کام لیں۔ توفیق زین الدین سے بڑھ کر بادشاہ کا کوئی دوسرا دوست و خیر خواہ نہ ہوگا۔ نیچے یہ شعر اپنے قلم مبارک سے تحریر فرمایا۔

تامن بزیم بجز نکوئی نہ کنم جز نیک دلی و نیک خوئی نہ کنم

آئینہ کہ بجائے ابدیہا کر دند تا دست رسد بجز نکوئی نہ کنم
(ترجمہ) جب تک جان میں جان ہے سوائے اچھائی نیک
دلی اور نیک خوئی کے مجھ سے کچھ سرزد نہ ہوگا۔ جن لوگوں
نے ہمارے ساتھ برائی کی۔ جب موقع ملے گا ہم ان کے
ساتھ سوائے بھلائی کے کچھ نہ کریں گے۔

سلطان محمد شاہ اپنے نام کے ساتھ غازی کا خطاب دیکھ کر بہت
خوش ہوا۔ اور فرمان جاری کیا کہ القاب شاہی کے ساتھ اس کا بھی اضافہ
کیا جائے۔ قبل اس کے کہ سلطان کی حضرت شیخ سے ملاقات ہو۔
سلطان نے مرہٹ واڑہ کی حکومت مسند عالی خان محمد کے حوالہ کی
اور خود بدولت گلبرگہ پہنچا اور شراب کی دکانوں کو اپنی پوری حکومت
سے ختم کر کے شریعت کی ترویج و اشاعت میں اپنی کوشش مبذول
کی۔ دکن کے چوروں و فساد یوں کو جو دور دورہ مشہور تھے اور
جنہوں نے رہزنی کو اپنا شیوہ بنالیا تھا۔ ختم کرنے کا انتظام
کیا۔ چھرات مہینے کے اندر اندر ملک ان سے پاک ہو گیا۔ ایک
روایت کے مطابق چھ مہینے کی مدت میں چوروں و رہزنیوں کے
بیس ہزار سرکاٹ کر اطراف و جوانب سے گلبرگہ میں لائے گئے۔
سلطان اس عرصہ میں حضرت شیخ زین الدین سے برابر خط و کتابت
کرتا رہا۔ اور اخلاص و عقیدت کی راہ و رسم بڑھاتا رہا۔ شیخ
نے بھی اس کی ہمت افزائی، قدر دانی اور ہدایات اور مشوروں

سے دریغ نہیں کیا۔

چشتیوں کی بڑی بڑی خالقاہیں ہندوستان کے جن حصوں اور صوبوں میں قائم ہوئیں۔ انھوں نے وہاں کی اسلامی حکومتوں اور سلاطین وقت کی رہنمائی اور اسلامی حکومت کی حفاظت و تقویت سے غفلت نہیں کی۔ بنگال کی مشہور عالم خالقاہ جو پینڈوہ میں تھی وہاں کی اسلامی حکومت کے لئے قوت اور پشت پناہی کا ذریعہ تھی۔ جب وہاں سے اسلامی اقتدار ختم ہونے لگا تو ان درویشوں نے اس کی فکر کی اور اس کو دوبارہ بحال کرنے کی اسکالی کوشش کی۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی تاریخ مشائخ چشت میں لکھتے ہیں۔

حضرت نور قطب عالم شیخ علاء الحق کے فرزند رشید تھے۔ جس زمانہ میں وہ مسند ارشاد پر جلوہ افروز تھے بنگال کی سیاست بڑے نازک دور سے گذر رہی تھی راجہ کنس (جو بھٹورہ ضلع راج شاہی کا جاگیردار تھا) بنگال کے تخت پر قابض ہو گیا تھا اور مسلمانوں کی قوت کا خاتمہ کرنے پر مائل ہوا تھا۔ حضرت نور قطب عالم نے براہ راست

۱۔ تاریخ فرشتہ (جلد اول) از ص ۵۴۰ تا ص ۵۴۲، طبع بونا ۱۸۳۲ء - ۱۲
۲۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو ریاض السلاطین تاریخ بنگالہ تصنیف غلام حسین سلیم
ص ۱۱۔ عنوان مسلط شدن راجہ کانس زمیندار تا ص ۱۱۴ - ۱۲

اور سید اشرف جہانگیر سمنانی کی وساطت سے سلطان ابراہیم
شرقی کو بنگال پر حملہ کرنے کی دعوت دی، سید اشرف
جہانگیر کے مجوعے میں وہ دلچسپ خطوط خاص طور سے
مطالعہ کے قابل ہیں۔ جن میں اس سیاسی کشمکش کی
تفصیل درج ہے۔ سید اشرف جہانگیر نے جو خط حضرت
نور قطب عالم کے مکتوب کے جواب میں لکھا تھا وہ
بنگال میں صوفیائے کرام کے کارناموں پر کافی روشنی
ڈالتا ہے۔

ان چند واقعات سے جو تاریخ کے وسیع انبار میں سے "مشتے
نمونہ از خردوارے" کے طور پر بغیر کسی تاریخ کی ترتیب کے جمع
کر دیے گئے ہیں۔ اندازہ ہوگا کہ مشائخ چشت کا تقویٰ محض
عزالت و خلوت نفس کشی اور ترک دنیا اور اقبال کے الفاظ میں
"سر بزیری اور گو سفندی ویشی" نہیں تھا۔ انہوں نے اپنے اپنے
دور میں زمانے کے دھارے کو بدلنے اور حالاتِ زمانہ سے پنجہ
آزمائی کی بھی کوشش کی۔ جاہد سلاطین کے روبرو کلمہ حق کہنے
ان کے غلط رجحانات کا مقابلہ کرنے اور ان کو صلاح و مشورہ دینے
سے بھی پس و پیش نہیں کیا۔ اور جب کبھی ان کے اولوالعزم مشائخ

۱۷۷ تاریخ مشائخ چشت ص ۲۰۲

کو موقع ملا۔ انھوں نے اصلاح و انقلاب کی کوششوں سے بھی دریغ نہیں کیا۔

سلسلہ چشتیہ کی بنیاد ہندوستان میں پہلے ہی دن سے اشاعت

اشاعتِ اسلام

تبلیغِ اسلام پر پڑی تھی۔ اور اس کے عالی مرتبت بانی حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے ہاتھ پر اس کثرت سے لوگ مسلمان ہوئے کہ تاریخ کے اس اندھیرے میں ان کا اندازہ لگانا مشکل ہے عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد کی کثرت بہت کچھ حضرت خواجہؒ کی کوششوں اور روحانیت کی رہنمائی ہے۔ ان میں سے ایک بڑی تعداد حضرت خواجہؒ کی روحانی قوت، اشراقی کمال اور عند اللہ مقبولیت کے واقعات سے مسلمان ہوئی۔ اس وقت تک ہندوستان جوگ و اشراقیت کا ایک بڑا مرکز تھا۔ یہاں کے بہت سے فقیر و سنیا سی اشراقی اور قلبی قوت میں بڑا کمال رکھتے تھے۔ ریاضتِ شاقہ اور مختلف مشقوں سے انھوں نے کشف و تصرف کی بڑی قوت بڑھا رکھی تھی۔ ان میں بہت سے لوگ اس نوار و مسلمان فقیر کے امتحان اور اس کو زک دینے کے لئے اس کے پاس آتے لیکن ان کو بہت جلد معلوم ہو گیا کہ یہ عزیز الوطن درویش ان سے اپنی قلبی قوت اور اشراقیت میں بڑھا ہوا ہے۔ اور ساحرین فرعون کی طرح ان

کو یہ اندازہ ہو گیا کہ اس کے کمالات اور قوتوں کا منبع اور سرچشمہ کچھ اور ہے۔ اسی کے ساتھ ان کے اخلاق کی پاکیزگی، صاف ستھری زاہدانہ اور بے طمع زندگی، ایمان و یقین کی قوت خلق خدا کے ساتھ ہمدردی، اور بلا تفریق مذہب و ملت انسان سے محبت اور انسانیت کا احترام دیکھ کر مخالفین بھی مقتد اور دشمن بھی دوست ہو گئے۔ تذکرہ و تصوف کی کتابوں میں اس سلسلہ میں جو گیوں و سنیابیوں کے ساتھ مقابلہ اور حضرت خواجہ کی اشرافی قوت اور کشف و تصرفات کے جو واقعات کثرت کے ساتھ نقل کئے گئے ہیں۔ اگرچہ ان کو تاریخ یعنی سند سے اور قدیم تر معاصر آخذ کے ذریعہ ثابت کرنا مشکل ہے لیکن ہندوستان کے اس وقت کے ذوق و رجحان اور اجمیر کی دینی و روحانی مرکزیت کو دیکھتے ہوئے یہ واقعات خلاف قیاس نہیں، دراصل جس چیز نے حضرت خواجہ کا گرویدہ اور اسلام کا حلقہ بگوش بنایا۔ وہ تنہا ان کی قلبی قوت نہ تھی۔ بلکہ ان کی روحانیت، اخلاص و اخلاق اور ان کا وہ طرز زندگی تھا۔ جس کا ہندوستان کے اہل فن اور عوام نے اس سے پہلے کبھی تجربہ نہیں کیا تھا۔ خواجہ بزرگ کے اہل سلسلہ میں سے حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر کی کوششوں اور توجہات کو اشاعت اسلام کے سلسلے میں خاص اہمیت حاصل ہے۔ ان کی مجالس اور خانقاہ میں ہر مذہب

ولمت کے آدمی اور ہر طبقہ کے لوگ آتے تھے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں۔

حضرت خواجہ فرید الدینؒ	بخدمت شیخ الاسلام
کی خدمت میں ہر صنف	فرید الدین از ہر
و نوع کے لوگ درویش	جنس درویش وغیر
وغیر درویش پہنچتے تھے۔	آں برسید۔

حضرت خواجہؒ کو اللہ تعالیٰ نے جو عالی استعداد، قلبی قوت عطا فرمائی تھی۔ اس کے پیش نظر بیید نہیں کہ اشاعتِ اسلام میں وہ بھی معین ہوتی ہو۔ اور تو مسلموں کی بہت بڑی تعداد، ان کی روحانیت اور کشف و کرامات دیکھ کر مسلمان ہوئی ہو۔ پنجاب اور پاک پٹن کے اطراف میں بہت سی مسلمان برادریاں اور خاندان اپنے اسلاف کے قبولِ اسلام کو حضرت خواجہ کی توجہ اور تبلیغ کا نتیجہ سمجھتے ہیں اور اپنی نسبت ان کی طرف کرتے ہیں۔

پروفیسر آرنلڈ اپنی کتاب (PRECHING OF ISLAM) میں لکھتے ہیں۔

پنجاب کے مغربی صوبوں کے باشندوں نے خواجہ بہار الحق ملتانی اور بابا فرید پاک پٹنی کی تعلیم سے اسلام قبول کیا۔

۱۰ فوائد الفوائد



یہ دونوں بزرگ تیرھویں صدی عیسوی کے قریب
خاتمہ اور چودھویں صدی عیسوی کے شروع میں گذرے
ہیں۔ بابا فرید شکر گنج کا تذکرہ جس مصنف نے لکھا ہے
اس نے تحریر کیا ہے کہ سولہ قوموں کو انھوں نے تسلیم
و تعلقین سے مشرف باسلام کیا۔ لیکن افسوس ہے کہ اس
مصنف نے ان قوموں کے مسلمان ہونے کا مفصل
حال نہیں لکھا۔

حضرت خواجہ نظام الدین کو اہل ہند میں اشاعتِ اسلام
سے بڑی دلچسپی تھی۔ لیکن وہ یہ سمجھتے تھے کہ محض تقریر اور کہنے
سننے سے کسی شخص کا اپنے قدیم عقیدے سے ہٹنا اور نئے دین کو قبول کر لینا
بالخصوص ہندو قوم کا، جو اپنی پختگی، قدامت پرستی اور ذات
پات اور چھوت چھات کی پابندی میں خاص امتیاز رکھتی ہے۔
محض حسن تقریر اور وعظ و نصیحت سے مسلمان کر لینا آسان نہیں
اس کے لئے ان کے لئے موثر و طویل صحبت کی ضرورت
تھی۔

فوائد الفواد میں ہے کہ ایک غلام جو مسلمان تھا حضرت کی
مجلس مبارک میں حاضر ہوا۔ اور اپنے ایک ہندو دوست کو اپنے

لے دعوتِ اسلام، ترجمہ مولوی عنایت اللہ دہلوی ص ۲۹۴

ساتھ لایا اور کہا کہ یہ میرا بھائی ہے۔ حضرت خواجہؒ نے اس غلام سے فرمایا کہ تمہارا یہ بھائی کچھ اسلام کی طرف بھی میلان رکھتا ہے؟ غلام نے عرض کیا کہ اس کو حضرت کے قدموں میں اسی لئے لایا ہوں کہ آپ کی نظرِ کیمیا اثر کی برکت سے یہ مسلمان ہو جائے۔ یہ سن کر حضرت خواجہؒ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ فرمایا کہ کسی کے کہنے سننے سے اس قوم کا دل نہیں پھرتا۔ ہاں اگر اس کو کسی نیک بندے کی صحبت میں آجائے تو امید ہوتی ہے کہ اس کی صحبت کی برکت سے وہ مسلمان ہو جائے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس پچاس برس کے عرصہ میں جس میں حضرت خواجہ نظام الدینؒ دہلی جیسے مرکزی مقام میں مندرایت و ارشاد پر متمکن رہے۔ اور ان کی خانقاہ کا دروازہ ہر انسان کیلئے کھلا رہا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ہندوستان کے دور دراز گوشوں سے مختلف ضرورتوں اور تقریبوں سے لاکھوں کی تعداد میں غیر مسلم آتے تھے اور اپنی قومی خوش اعتقادی کی بنا پر حضرت خواجہؒ کی زیارت کو بھی حاضر ہوتے تھے۔ بڑی تعداد میں لوگ مسلمان ہوئے۔ میوات کا علاقہ جو حضرت خواجہؒ کے مرکز عیناث پور سے جانب جنوب متصلاً واقع ہے اور جہاں کے رہنے والوں کی رہنمائی

اور شورہ پشتی کی وجہ سے کچھ عرصہ پہلے سلطان ناصر الدین محمود کے زمانہ میں شہر پناہ دہلی کے دروازے سے شام ہی سے بند ہو جاتے تھے اور جن کی کئی بار غیاث الدین بلبن کو تادیب کرنی پڑی۔ حضرت خواجہ کے فیوض و برکات اور ان کی تعلیم و تربیت کے اثرات سے ضرور مستفید ہوا ہوگا۔ اور عجب نہیں کہ اتنی بڑی تعداد میں میواتی اکھیں کے زمانہ میں مسلمان ہوئے ہوں۔

چشتی خالقاہوں نے اپنے اپنے حلقہ اثر میں بالواسطہ اور بلاواسطہ گرو پیش کی غیر مسلم آبادیوں کو اپنے اخلاق، روحانیت اور مساوات و اخوت سے جس کی فضا ان خالقاہوں میں قائم تھی ضرور متاثر کیا اور ان قوموں کو جو کشف و کرامات اور روحانیت سے خاص طور پر متاثر ہوتی ہیں اسلام میں داخل کرنے کا ذریعہ بنے۔ پنڈوہ کی چشتی خالقاہ اور احمد آباد و گلبرگہ کے چشتی مشائخ کے اثر سے غیر مسلموں کی ایک بڑی تعداد کا مسلمان ہونا بالکل قریب قریب ہے۔ گیارہویں صدی میں سلسلہ چشتیہ کے مجدد حضرت شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی کو اشاعتِ اسلام کا بڑا اہتمام کیا۔ انھوں نے اپنے خلیفہ و جانشین شیخ نظام الدین اورنگ آبادی کو جو خطوط لکھے ہیں۔ ان میں جا بجا اس کی تاکید و ہدایت ہے۔ ان کے مطالعہ سے ان کی اس مسئلہ میں بے چینی اور فکر کا اندازہ ہوتا ہے۔ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں۔

در آں کوشید کہ صورت | اس کی کوشش کرو کہ
اسلام وسیع گردو دوزا کر | اسلام کا دائرہ وسیع اور
این کثیر ہے | اس کے حلقہ گزشتہ کثیر ہوں۔
دوسرے مکتوب میں لکھتے ہیں۔

بہر حال کلمۃ الحق کوشید
وازمشرق تا مغرب
ہمہ حقیقی برکنید۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں۔
”شیخ نظام الدین صاحب کی تبلیغی کوششوں کا نتیجہ یہ
ہوا کہ بہت سے ہندو گرویدہ اسلام ہو گئے۔ بعض
اپنے رشتہ داروں کے ڈر سے مسلمان ہونے کا اظہار
نہیں کرتے تھے لیکن دل سے مسلمان ہو چکے تھے۔“
شاہ کلیم اللہ صاحب ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔
”دیگر مرقوم بودہ یہی ویارام و ہندو ہائے دیگر بسیار در
بقعہ اسلام در آمدہ اند، اما بامردم قبیلہ پوشیدہ
می مانند“

۱۔ مکتوبات کلیمی، مکتوب نمبر ۷۴، ص ۶۰

۲۔ ایضاً نمبر ۸۰، ص ۶۲



ساتھ ہی ساتھ اس چیز کو بھی پسند نہیں کرتے تھے کہ کوئی شخص مسلمان ہونے کے بعد اپنے مسلمان ہونے کو مخفی رکھے۔ مبادا بعد موت اس کے ساتھ وہ معاملہ کیا جائے جو غیر مسلموں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

برادرِ من اہتمام نمایند کہ آہستہ آہستہ این امر جلیل از بطون
بظہور انجامد کہ موت در عقب است، مبادا احکام اسلام
بعد از رحلت بجانیارند و مسلمان حقیقت را بسوزانند
دیارام اگر خطے می نوید، خطے نوشته خواهد شد،

انسوس ہے کہ کسی نے مشائخ ہندوستان اور بالخصوص
سلسلہ چشتیہ کے مشائخ کی تبلیغی کوششوں کی تاریخ و روند ادراک
کرنے کی زحمت گوارا نہ کی۔ لیکن تمام مورخین کے نزدیک ہندوستان
میں اشاعتِ اسلام کا سب سے بڑا ذریعہ صوفیائے کرام و فقراء
اسلام ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ ان سلاسلِ تقویٰ میں سلسلہ چشتیہ
اور اس کے مشائخ کو اولیت اور اہمیت حاصل ہے اور اس کام
میں ان کا حصہ تناسب سے زیادہ ہے۔

حضرت خواجہ نظام الدین
اولیاء اور ان کے خلفاء

خبریت و اشاعت

۱۸ مکتوب ۲۱ ص ۱۸

اور اہل سلسلہ کو علم کی تحصیل تکمیل کا جتنا اہتمام تھا اس کا اندازہ حضرت خواجہ فرید الدین کے مقولہ اور خود حضرت خواجہ نظام الدین کے شیخ سراج الدین عثمان اودکی (داخی سراج) بانی خانقاہ پندوہ کے ساتھ رویہ سے ہو سکتا ہے کہ انہوں نے ان کو اس وقت تک اجازت نہیں دی جب تک کہ انہوں نے علم کی تحصیل تکمیل نہیں کر لی۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ رشد و ارشاد اور درس و تدریس اور علم کی اشاعت و ترویج دونوں اس سلسلہ کی تاریخ میں ساتھ ساتھ چلتے رہے۔ اور یہ رفاقت دور انحطاط تک قائم رہی۔ حضرت خواجہ کے ایک خلیفہ اجل مولانا شمس الدین یحییٰ تھے جو اس عصر کے بہت سے علماء اور اساتذہ کے استاد تھے۔

شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کا مشہور شاعر ہے۔

سَأَلْتُ الْعِلْمَ مَنْ أَتَىكَ فَقَا

فَقَالَ الْعِلْمُ شَمْسُ الدِّينِ يَحْيَى

میں نے علم سے پوچھا کہ کہیں حقیقی حیات کس نے

بخشتی، اس نے مولانا شمس الدین یحییٰ کا نام لیا۔

شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کے مخصوص ارادت مندوں میں

مستر شدرین میں قاضی عبدالقادر کندی (م ۱۹۱۷ء) ان کے شاگرد

رشید شیخ احمد تھانیسری (م ۱۹۲۰ء) اور مولانا خواجگی دہلی

(م ۱۹۰۹ء) ہندوستان کے نامور ترین علماء استاد الاساتذہ



و مجددین علم میں سے ہیں۔ قاضی عبدالمقدر اور مولانا خواجگی کے شاگرد رشید، شیخ شہاب الدین احمد بن عمر دولت آبادی (م ۸۷۹ھ) نخر ہندوستان اور نادرہ روزگار تھے۔ اور ملک العطار قاضی شہاب الدین کے نام سے ہندوستان کی علمی و تاریخ میں زندہ جاوید ہیں۔ ان کی شرح کافیہ (جو شرح ہندی کے نام سے عرب و عجم میں مشہور ہوئی) کے محشیوں میں علامہ گارونی اور میر عیاش الدین منصور شیرازی جیسی بلند شخصیتیں ہیں یہ وہی ہیں جن کی علالت کے موقع پر سلطان ابراہیم شرقی نے پانی کا پیالہ بھر کر ان پر سے تصدق کیا۔ اور دعا کی کہ ملک العطار میری سلطنت کی آبرو ہیں۔ اگر ان کی موت مقدر ہی ہے تو ان کے بجائے مجھے قبول کر لیا جائے۔

اسی سلسلہ کے ایک عالم جلیل مولانا جمال الاولیاء چشتی کوروی (م ۱۰۴۷ھ) جن کے نامور شاگردوں میں مولانا لطف اللہ کوروی سید محمد ترمذی کالیپوی، شیخ محمد رشید جوہنپوری اور شیخ یسین بناری جیسے علماء کبار و شیوخ عصر تھے۔ مولانا لطف اللہ کوروی کے شاگرد ہندوستان کے مشہور عالم مولانا احمد ایٹھوی عرف ملا جیون، قاضی علیم اللہ کچندوی اور مولانا علی اصغر قنوجی تھے۔ جنہوں نے درس و تدریس کا ہنگامہ گرم رکھا۔ اور بڑے بڑے نامور عالم و مدرس ان کے حلقہ درس سے تیار ہو کر نکلے ٹیلہ والی مسجد

کا شہرہ آفاق دارالعلوم جس کے مسند نشین حضرت شاہ پیر محمد لکھنوی (م ۱۰۸۵ھ) تھے اسی سلسلہ سے تعلیمی روحانی نسبت رکھتا تھا۔ خود درس نظامی (جس کی جہانگیری مسلم ہے) کے بانی ملا نظام الدین دم ۱۱۶۱ھ) اور ان کے نامور جانشین اور اہل خاندان اس سلسلہ سے نسبت روحانی رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ عام طور پر بھی مشائخ چشت کا علمی ادبی ذوق، تبحر اور علمی شغف ایک تاریخی حقیقت ہے جو حضرت نور قطب عالم حضرت جہانگیر اشرف سمنانی، حضرت شاہ کلیم اللہ جہان آبادی کے مکتوبات اور پینڈوہ، گلبرگہ، مانک پور، سلون وغیرہ کی خالقانہوں کی علمی سرگرمیوں اور دلچسپیوں سے عیاں ہے۔

قبل اس کے کہ سلسلہ چشتیہ کی تاریخ کا یہ صفحہ زردیں ختم کیا جاتے، ایک تبلیغ حقیقت کی طرح اس کا اظہار ضروری ہے کہ زمانہ کے مرور و انقلاب کے ساتھ اس سلسلہ اور اس کے بانیان کرام اور اسلاف عظام کی خصوصیتوں میں انحطاط و زوال رونما ہوا۔ نقووف و روحانیت کی تاریخ بتاتی ہے کہ ہر سلسلہ کا آغاز جذب قومی سے ہوا۔ پھر اس نے سلوک اور آخر میں رسوم کی شکل اختیار کر لی۔ یہاں بھی جس سلسلہ کا آغاز عشق، درود و محبت، زہد و ایثار، فقر و استغفار، ریاضات و مجاہدات اور دعوت و تبلیغ سے ہوا تھا۔

خاتمہ کلام

اس میں بتدریج ایسی تبدیلی ہوئی کہ آخر میں اس کے نظام کے تین نمایاں عناصر ترکیبی رہ گئے۔

(۱) وحدت الوجود کے عقیدے میں غلو اس کی اشاعت کا انہماک اور اس کے باریک و دقیق مضامین کا اعلان و تذکرہ۔

(۲) محافل سماع کی کثرت، وجد و رقص کا زور۔

(۳) اعراس کا اہتمام اور ان کی رونق و گرم بازاری جو شرعی

حدود و قیود سے بے نیاز ہے۔

وہ اعمال و رسوم اور عقائد جن کی اصلاح کے لئے دینِ خالص

کے یہ اولوالعزم داعی ایران و ترکستان کے دور دراز مقامات سے آئے تھے۔ خانقاہوں کا ایسا دستور العمل بن گئے کہ غیر مسلم

آبادی کے لئے یہ ایک معجزہ اور سوال بن گیا کہ اسلام اور دوسرے

مذہب میں (جن کی اصلاح کے لئے یہ مبلغین اسلام بحر و بر طے کر

کے تشریف لاتے تھے) عملاً کیا فرق ہے؟ توحید کے لفظ کا استعمال

اور دعوتِ توحید و جودی کے معنی میں محدود ہو کر رہ گئی سنت

اور اتباعِ شریعت جس پر ان مشائخ نے اتنا زور دیا تھا۔ اہلِ ظاہر

کا شمار اور حقیقت ناشناسوں کی علامت بن کر رہ گیا۔ شریعت

و طریقت ڈو الگ الگ کوپے تسلیم کئے گئے۔ جن میں نہ صرف

مغاشرت تھی۔ بلکہ تضاد۔ مزامیر و آلاتِ سماع جن کی مشائخ متقدمین

نے اتنی شدت سے مانیت کی تھی داخل طریق بن گئے۔ درد و عشق

کی جنس جو طریقہ چشتیہ کا سرمایہ تھا اس بازار میں ایسی نایاب ہوتی
 کہ طالبِ صادق کو حسرت سے کہتے ہوئے سنا گیا کہ۔ ع
 وہ جو بچتے تھے دوائے دل، وہ دکان اپنی بڑھا گئے۔
 فقر جو اس طریق کا مخزن تھا۔ شانِ امیری اور شکوہ خسروی سے تبدیل
 ہو گیا۔

اس سب سے بڑھ کر انقلاب اور تاریخ کا سانحہ یہ ہے کہ
 جن بندگانِ خدا کا مقصد حیات ہی خدا کے سب بندوں کا سر دنیا
 کے تمام آستانوں سے اٹھا کر خدائے واحد کے آستانہ پر چھکانا
 اور "ماسومی" میں اٹکے ہوئے اور پھنسے ہوئے دلوں کو نکال کر
 ایک خدا سے اٹکانا تھا اور جن کی دعوت اور زندگی انبیاء علیہم
 السلام کی زندگی کی تصویر اور ان آیات کی تفسیر تھی۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ	کسی بشر سے یہ بات نہیں ہو سکتی
اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ	کہ اللہ تعالیٰ تو اس کو کتاب
وَالنَّبُوَّةَ لِمَنْ يَشَاءُ لِلنَّاسِ	اور دین کی فہم اور نبوت عطا
كُونُوا عِبَادًا لِي مِنْ دُونِ	فرمائے اور پھر وہ لوگوں سے
اللَّهِ وَلَكِنْ كُونُوا رَبَّانِيِّينَ	کہنے لگے کہ میرے بندے بن
بِمَا كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ	جاؤ۔ خدا تعالیٰ کی توحید کو
الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ	چھوڑ کر لیکن وہ یہ کہتے تھے کہ
تَدْرُسُونَ وَلَا يَأْمُرُكُمْ	تم لوگ اللہ والے بن جاؤ۔



اَنْ تَشْخِذُوا
 الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيِّۦنَ
 اَرْبَابًا اِيَّاكُمْ
 بِالْكَفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ
 مُسْلِمُوْنَ۔

رآل عمران ع ۷۸

بوجہ اس کے کہ تم کتاب الہی
 اور روں کو بھی سکھاتے ہو اور
 اور بوجہ اس کے کہ خود بھی اس
 کو پڑھتے ہو اور نہ وہ یہ بات
 بتلاوے گا کہ تم فرشتوں کو اور
 نبیوں کو رب قرار دے لو بھلا
 وہ تم کو کفر کی بات بتلاویگا
 بعد اس کے کہ تم مسلمان ہو۔

انقلاب زمانہ سے خود ان کی ذات مطلوب و مقصود اور خود ان کا
 آستانہ مسجود و معبود بن گیا۔

مجددین اسلام کے تجدیدی و دینی کارنامے

تصانیف مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ، مصنف کتاب ہذا جو ہمارے

ادارے اور دوسری جگہ سے نشر ہوئیں اور ہمارے اسٹاک میں ہیں!

تاریخ دعوت و عزیمت : پانچ جلدوں میں مکمل و مجلد سہرہ - الآرا کتاب ۱۸۳/-

جلد اول : حضرت عمر بن عبدالعزیز، شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہما بصری وغیرہ ۴۰/-

جلد دوم : حضرت امام ابن تیمیہ اور ان کے خاص تلامذہ کے کارنامے ۳۵/-

جلد سوم : خواجہ معین الدین چشتی رحمہما حضرت محبوب الہی نظام الدین رحمہما اور شیخ شرف الدین یحییٰ

میری کے کارنامے ۲۸/-

جلد چہارم : تذکرہ حضرت مجدد الف ثانی امام ربانی اور ان کے خاص خلفاء ۴۰/-

جلد پنجم : تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہما اور ان کے چاروں صاحبزادگان و خلفاء

کے کارنامے ۴۰/-

حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی دینی دعوت ۱۵/-

ایک اہم دینی دعوت تحریک حضرت مولانا محمد الیاس رحمہما کی تفصیل اور اس کے اصول

و قواعد ۵/-

سیرت سید احمد شہید رحمہما جلد اول - جلد دوم ہر جلد ۵۰/-

انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر ۳۵/-

تذکرہ مولانا فضل الرحمن گنج مراد آبادی ۸/-

سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری رحمہما ۲۰/-

منصب نبوت اور اس کے عالی مقام حاطین ۲۵/-



فضائل درود شریف (اردو میں)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اللہ تعالیٰ سے سب کچھ مانگنے کے لئے سب سے بڑا عمل دعا ہے اور دعا کی قبولیت کے لئے اول، آخر درود شریف نہایت اکیسر ہے اس کتاب میں درود شریف کے فضائل، اور نہ پڑھنے پر وعیدیں اور خاص خاص درود کا مجموعہ، درود شریف کے آداب و احکام روضۃ اقدس پر صلوة و سلام پڑھنے کی اہمیت، عاشقین رسول کے پچاس قصے ذکر کئے گئے ہیں۔

قیمت اردو آٹھ روپیہ۔ ہندی ایڈیشن بارہ روپیہ،
انگریزی ایڈیشن پندرہ روپیہ۔

○

ادارہ اشاعت دینیات

حضرت نظام الدین نسیمی دہلی ۱۱۰۰۱۳

برائے بھٹی، ادارہ اشاعت دینیات

محمد علی روڈ بمبئی ۲۳

15.00